معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

اکتوبر تا دسمبر 2015ء 26 جلد 7 شمارہ 2

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخنِ مدیر	جعفر علی نجم	3
اسلامی ملکوں کی ریڈیو اور ٹی وی نشریات کے نمائندوں سے رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ	5
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سید محمد حسین طباطبائی رہ	18
تاریکیوں سے نور کی طرف سفر	حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی	28
واقعۂ عاشورا اور تہذیب انتظار	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	40
ذبحِ عظیم	حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری	48
فلسفہ و نقوشِ زیارت	حجۃ الاسلام مولانا سید شمشاد حسین رضوی	57
امام زین العابدینؑ اور واقعہ کربلا	تمیان نیت	64
اخلاقِ اہل بیتؑ	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	82
شرح چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی رہ	96
مرثیہ شہادت امام حسین علیہ السلام	علامہ ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی	109

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ
(جوش ملیح آبادی)

الحمد للہ، سہ ماہی ثقلین کا ایک اور شمارہ آپ کی خدمت میں آنلائن حاضر ہے۔ ماہ ذی الحجہ اور محرم الحرام کے پہلے عشرے کی مصروفیات کی وجہ سے اس شمارہ میں تاخیر ہوئی کہ جس کی وجہ ہم آپ تمام قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

اس سال حج کے دوران مختلف حادثات رونما ہوئے اور خاص طور پر سانحہ منیٰ پیش آیا کہ جس میں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ حجاج کرام لقمہ اجل بن گئے۔ اس سانحہ نے جہاں ایک طرف امت اسلامی میں بے چینی اور عدم تحفظ پیدا کر دیا ہے تو دوسری طرف حجاز مقدس کے موجودہ حکمرانوں پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان لگا دیا ہے کہ انہوں نے حجاج کرام کے انتظامات کی مناسب دیکھ بھال میں کوتاہی کی ہے اور حجاج بیت اللہ کی جانوں کے تحفظ میں ناکام رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب عالم اسلام میں ہر طرف سے یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ حرمین شریفین کے انتظامات، اسلامی ممالک کے متدین اور صالح نمائندہ افراد کی ایک کمیٹی کے سپرد ہونے چاہئیں۔

علاوہ ازیں محرم وصفر کی آمد کی وجہ سے دنیا بھر میں کوئی ایسا خطہ نہیں ہے کہ جہاں پر عزاداری سیّدالشہداء برپا نہ ہوتی ہو اور اپنی بساط کے مطابق ہر جگہ محبان اہل بیتؑ، امام حسینؑ اور آپؑ کے اعوان و

انصار کی بے مثال اور لازوال قربانیوں کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں حسینی کردار کو اپنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

بلاشبہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ کربلا میں پیش آنے والے حسینی کردار کو مزید اجاگر کیا جائے تا کہ یزیدی کردار سے لوگ خود بخود آگاہ ہوں۔ آج بھی یزیدیوں کی کوئی کمی نہیں ہے کہ جو کبھی القاعدہ و طالبان کی صورت میں اور کبھی داعش کی صورت میں اسلام کی حقیقی تصویر کو مخدوش کر رہے ہیں، لیکن اب بھی دنیا اسلام کی حقیقی تصویر دیکھنا چاہتی ہے اور ان یزیدیوں کے نام اور کردار سے بیزار ہے۔ بہرحال یہ بہترین موقع ہے کہ تمام دنیا تک صدائے مظلومیت امام حسینؑ کو بھی پہنچایا جائے اور دین اسلام کے رافت ومحبت اور امن ودوستی اور بھائی چارے کا بھی چرچا کیا جائے۔

قارئین کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ ہمارے ساتھ آپ بھی اس رسالہ کو آنلائن ویب سائٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے قارئین کی خدمت میں پہنچانے مدد فرمائیں۔ آپ سے استدعا ہے کہ اس سلسلہ میں دیگر علم دوست احباب کو بھی اطلاع دے کر ان کو بھی اس رسالے سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ کریں۔

ہم جناب قبلہ مولانا سید ریاض حسین صفوی صاحب کی بھی محنت اور جانفشانی پر شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے اس رسالہ کی تدوین کے مختلف مراحل میں ہماری مدد فرمائی۔

ہمیشہ کی طرح ہمیں قارئین محترم اور علمائے کرام اور خاص طور پر آنلائن قارئین کے مفید اور قیمتی مشوروں، نیز آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔ شکریہ!

والسلام

جعفر علی نجم

(27/اکتوبر 2015ء)

☼☼☼☼☼

اہلبیتؑ عالمی اسمبلی اور اسلامی ملکوں کی ریڈیو اور ٹی وی نشریات کے نمائندوں سے

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی

کا خطاب[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا وَ حَبِيْبِ قُلُوْبِنَا اَبِي الْقَاسِمِ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهِ الْاَطْيَبِيْنَ الْاَطْهَرِيْنَ الْمُنْتَجَبِيْنَ سِيَّمَا بَقِيَّةَ اللّٰهِ فِي الْاَرَضِيْنَ۔

خوش آمدید کہتا ہوں تمام حاضرین محترم کو، برادران وخواہران گرامی کو، اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کو بھی جو اہل بیت علیہم السلام عالمی اسمبلی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان بھائیوں اور بہنوں کو بھی جن کا تعلق اسلامی ملکوں کی ریڈیو اور ٹی وی نشریات کی یونین سے ہے۔اسی طرح یہاں تشریف فرما شہدا کے اہل خانہ کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں آپ سب کیلئے رحمت وبرکت کی دُعا کرتا ہوں۔

اہل بیتؑ عالمی اسمبلی کے بارے میں اور ریڈیو اوٹی وی نشریات کی یونین سے متعلق کچھ نکتے آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں:

اہلبیتؑ عالمی اسمبلی کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی ساری اہمیت اہل بیت علیہم السلام سے اس کی نسبت کی وجہ سے ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ ایک ''بیان'' رکھا ہے۔اتنی صراحت کسی اور جماعت کے بارے میں نظر نہیں آتی۔وہ بیان یہ ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳﴾

بیشک خدا کا یہ ارادہ ہے کہ اے اہلبیتؑ (پیغمبرؐ)! آلودگیوں کو آپؐ سے دور رکھے اور آپؐ کو

[1] یہ خطاب 17 اگست 2015ء کو تہران میں کیا گیا۔(بشکریہ از: www.khamenei.ir)

پاک وپاکیزہ رکھے۔[1]

اہل بیت علیہم السلام کی شناخت اور تعارف ان کی طہارت اور ان کے سلسلے میں تطہیر خداوندی ہے۔ اس تطہیر کے مختلف پہلو ہیں۔ اگر کوئی گروہ اور جماعت خود کو اہل بیت علیہم السلام سے منسوب سمجھتی ہے تو اسے کچھ لوازمات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ یہ ہمارا نظریہ ہے۔ کچھ لوازمات ہیں جن کا التزام ضروری ہے۔ آئمہ علیہم السلام نے کچھ اہداف کیلئے جدو جہد فرمائی ہے:

پہلا ہدف ہے اسلام کی حقیقی تعلیمات، اسلامی اصولوں اور بنیادوں کو زندہ رکھنا۔ ان کو زندہ رکھنے کیلئے ان ہستیوں نے مجاہدت کی۔ ظالم حکومتوں اور امت میں پیدا ہونے والی طاغوتی طاقتوں کی یہ کوشش تھی کہ اسلامی تعلیمات یا تو مٹ جائیں یا بدل دی جائیں اور ان میں تحریف ہوجائے۔ آئمہ علیہم السلام نے جو اقدامات انجام دئے ان اقدامات کا ایک اہم ترین سلسلہ انہی کوششوں کے مقابلے سے متعلق تھا۔ پس آئمہ اطہار علیہم السلام کی جدو جہد کا پہلا ہدف اسلامی تعلیمات کی حفاظت اور ان کا احیاء ہے۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام کے مشن کا ایک اور اہم باب احکام الٰہیہ کا قیام و نفاذ تھا۔ احکام الٰہیہ کو رائج اور نافذ کرنے کی کوشش اس زمانے میں بھی کی جب حکومت ان کے ہاتھ میں رہی اور اس زمانے میں بھی یہ کوشش جاری رکھی جب انہیں حکومت سے دور رکھا گیا۔ ان کی پوری کوشش اس ہدف پر مرکوز رہتی تھی کہ سماج میں اسلامی احکام پر عمل ہو۔

آئمہ اطہار علیہم السلام کا ایک اور اہم کام راہ خدا میں جہاد تھا۔ آپ آئمہ علیہم السلام کی زیارت میں پڑھتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنَّكَ جَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے راہ خدا میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔

''حقِ جہاد'' کا مطلب یہ ہوا کہ راہ خدا میں ان کے جہاد میں کہیں کوئی خامی اور کمی نہیں تھی۔ انہوں

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳۔

نے اپنے پورے وجود سے، اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لا کر اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کی مدد سے راہ خدا میں جہاد کیا۔ اس مجاہدت کا ایک اہم حصہ جو اپنے آپ میں مکمل ایک باب ہے، ظلم سے جنگ اور ظالم سے پیکار رہا ہے۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی پوری زندگی شروع سے آخر تک ظالمین کے خلاف جدوجہد اور ظلم سے جنگ کا آئینہ ہے۔ ان کے ساتھ جو سختیاں برتی گئیں، زہر خورانی کے جو اقدامات ہوئے اور انہیں جو شہید کیا گیا، وہ سب کچھ اسی وجہ سے تھا کہ وہ ظلم اور ظالم کے خلاف محور پیکار بنے رہتے تھے۔ یہ ہے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان اوصاف کے حامل اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار بنیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو مدنظر رکھیں! ہمیں چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کی ترویج کریں، ہمیں چاہیے کہ احکام الٰہیہ کے نفاذ کو اپنے اہداف کا جز سمجھیں۔ ہمیں چاہیے کہ راہ خدا میں اپنے پورے وجود سے جہاد کریں، ظلم سے لڑیں، ظالم کا مقابلہ کریں، جنگ کریں! یہ ہمارا فریضہ ہے۔ (البتہ واضح رہے کہ) مجاہدت صرف عسکری مقابلہ آرائی کا نام نہیں ہے۔ مجاہدت میں مختلف طرح کی مقابلہ آرائیاں شامل ہیں۔ اس میں ثقافتی جدوجہد سے لیکر سیاسی اور اقتصادی پیکار تک گوناگوں مقابلے شامل ہیں۔ سب کو مجاہدت کہا جاتا ہے۔ ذہن صرف فوجی جنگ کی طرف نہ جائے۔ کبھی ممکن ہے کہ فوجی مقابلہ آرائی کا موقع بھی آ جائے لیکن جہاد کی صرف یہی ایک قسم نہیں ہے۔

آج ہماری نظر میں جہاد کا اہم مصداق جو ہم مسلمانوں کے سامنے، اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کے سامنے موجود ہے، اسلامی علاقوں میں استکبار کی سازشوں کے خلاف پیکار ہے۔ آج سب سے بڑا جہاد یہی ہے۔ سامراج کے منصوبوں اور سازشوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان منصوبوں کو پہلے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دشمن کی چیرہ دستیوں کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ دشمن کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہمیں چاہیے کہ بیٹھیں، منصوبہ بندی کریں اور دشمن کے منصوبوں کے خلاف محاذ کھولیں۔ صرف دفاعی پوزیشن میں نہیں رہنا ہے۔ جہاد میں دفاع اور اقدامی کارروائی دونوں ہوتی ہے۔ کبھی ضرورت ہوتی ہے کہ انسان دفاعی حالت میں آ جائے اور کبھی ضروری ہوتا ہے کہ بڑھ کے حملہ کرے۔ دونوں ہی حالتوں میں ہدف استکبار کے منصوبوں کے خلاف لڑنا ہے، جو اس علاقے میں بھی

اور تمام مسلم علاقوں میں بھی خاص طور پر مغربی ایشیا کے اس خطے میں، یہ ہمارا سب سے بڑا اور اصلی دشمن ہے۔ مغربی ایشیا کا یہی علاقہ جس کے بارے میں مغرب والوں کا اصرار یہ ہے کہ اسے مشرق وسطی کہا جائے۔ یعنی وہ یورپ کو بنیاد قرار دیکر مشرق کو ماپنا چاہتے ہیں؛ اس طرح کوئی جگہ مشرق بعید قرار دے دی جاتی ہے، کوئی جگہ مشرق وسطی بن جاتی ہے، کوئی جگہ مشرق قریب ہے۔ آپ مغرب والوں کا یہ تکبر تو دیکھئے۔ شروع ہی سے اس خطے کا نام مشرق وسطی رکھ دیا گیا۔ مشرق وسطی غلط نام ہے۔ یہ علاقہ مغربی ایشیا ہے۔ ایشیا بہت بڑا براعظم ہے۔ ہم مغربی ایشیا میں واقع ہیں۔ یہ علاقہ بڑا حساس علاقہ ہے۔ یہ علاقہ اسٹریٹجک پہلو سے بہت اہم ہے، عسکری زاویے سے بھی بہت اہم ہے، زیر زمین ذخائر کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہے، تین براعظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقا کا رابطہ پل ہونے کے اعتبار سے بھی بے حد اہم ہے۔ یہ بڑا اہم علاقہ ہے۔ اس علاقے کے بارے میں انہوں نے منصوبے بنا رکھے ہیں، سازشیں تیار کر رکھی ہیں۔ ہمیں ان منصوبوں کی تہہ تک پہنچنا چاہیے، انہیں سمجھنا چاہیے اور اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اسے کہتے ہیں مجاہدت۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾

راہ خدا میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔[1]

آج "جہاد فی سبیل اللہ" یہی ہے۔

دنیائے اسلام کے خلاف اور اس علاقے کے خلاف سازش کوئی نئی بات نہیں ہے۔ برسوں پہلے، سو سال قبل، پہلی عالمی جنگ کے وقت سے ہی یہ علاقہ سامراجی طاقتوں کے شدید دباؤ کا نشانہ بنتا رہا ہے۔ ایک زمانے میں برطانیہ تھا، آج امریکہ ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب فرانس تھا۔ سو سال یا اس سے بھی زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ استکباری طاقتیں اس علاقے میں ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ مگر ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ان سازشوں میں اور بھی شدت آ گئی، کیونکہ ایران جیسے انتہائی اہم، حساس اور بڑے ملک میں انقلابِ اسلامی کی کامیابی کا واقعہ استکبار کو بوکھلا دینے والا تھا۔

---

[1] سورۂ حج، آیت ۷۸۔

شروع میں تو ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟! ہم حالات پر نظر رکھتے تھے اور دیکھتے تھے۔ شروع میں وہ سراسیمہ تھے۔ جب انہیں ہوش آیا تو پھر انہوں نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ اس دباؤ کا نشانہ اسلامی جمہوریہ ایران تھا۔ ان کی پہلی کوشش تو یہ تھی کہ یہ تجربہ دیگر ملکوں میں دہرایا نہ جائے، وہ اس کوشش میں تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایران پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا جائے۔ 35 سال سے ہم دشمن کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ملت ایران دباؤ، سختیوں، دھمکیوں، پابندیوں، سیکورٹی سے متعلق دباؤ اور گوناگوں سیاسی سازشوں کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم 35 سال سے طرح طرح کے دباؤ کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد کے دور میں ہوا۔ مگر جب اسلامی بیداری کی لہر اٹھی، چار پانچ سال پہلے شمالی افریقا سے اس کا آغاز ہوا، مصر، تیونس اور بعض دیگر جگہوں پر یہ لہر نمودار ہوئی تو دشمنوں کی کارروائیاں تیز تر ہو گئیں۔ یعنی حقیقت میں دشمن پر اضطراب طاری ہو گیا، وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ دشمنوں نے متعدد اقدامات انجام دیئے اور اب بھی انجام دے رہے ہیں۔ اب وہ اس گمان میں ہیں کہ اسلامی بیداری کی لہر کو انہوں نے کچل دیا ہے، لیکن اس حقیر کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی بیداری کی لہر کو کچلنا ناممکن ہے۔ بیشک انہوں نے کچھ اقدامات انجام دے دیئے ہیں، مگر اسلامی بیداری کی تحریک اب بھی موجود ہے۔ کبھی نہ کبھی یہ تحریک اپنا صحیح راستہ تلاش کر ہی لے گی۔ ان حالیہ برسوں میں انہوں نے اپنی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ انہوں نے بہت سے اقدامات کئے اور نئے مہروں کو میدان میں اتار دیا ہے۔

سب سے پہلے تو میں یہ واضح کر دوں کہ جب ہم دشمن کی بات کرتے ہیں تو یہ کسی خیالی اور تصوراتی چیز کی جانب اشارہ نہیں ہے۔ دشمن سے ہماری مراد استکباری نظام ہے۔ یعنی استکباری قوتیں۔ وہ قوتیں جن کی زندگی کا انحصار دوسروں پر تسلط قائم رکھنے پر ہے، دوسروں کے امور میں دخل اندازی جاری رکھنے پر ہے، دوسروں کے مالیاتی اور دیگر حیاتی وسائل کو اپنے قبضے میں رکھنے پر ہے۔ یہ استکباری طاقتیں ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں کہا جائے کہ سامراجی نظام کے عمائدین۔ تسلط پسندانہ نظام کے جو عمائدین ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر اس کا خارجی مصداق ہم معین کرنا چاہیں تو وہ ریاستہائے متحدہ امریکا ہے۔

توسیع پسندانہ نظام کی مظہر کامل امریکی حکومت ہے اور بھی کچھ حکومتیں ہیں لیکن سب سے واضح، سب سے نمایاں اور عینی مصداق ریاستہائے متحدہ امریکا کی حکومت ہے جو انسانی اخلاقیات سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مجرمانہ کارروائیوں میں، کسی بھی قسم کی مجرمانہ کارروائی میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ وہ ان جرائم کو، اس وحشی پنے کو بڑے آرام سے کچھ خاص الفاظ، بڑے اچھے اور پرکشش کلمات کے پردے میں چھپا لیتی ہے۔ اس کا مظہر یہ حکومت ہے۔ بنابریں جب ہم دشمن کی بات کرتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے۔

اس علاقے میں دشمن کی سازش دو بنیادوں پر استوار ہے۔ البتہ اس کے بہت سے پہلو ہیں لیکن دو پہلو بہت بنیادی ہیں۔ ایک ہے اختلافات کی آگ بھڑکانا اور دوسرے اثر ورسوخ بڑھانا۔ یہ اس علاقے میں دشمن کی سازش کی بنیادیں ہیں۔

اختلاف پیدا کرنا، حکومتوں کے درمیان اختلاف، پھر قوموں کے درمیان اختلاف جو حکومتوں کے اختلاف سے زیادہ تباہ کن ہوتا ہے۔ یعنی قوموں کو ایک دوسرے کی نسبت بدگمانی میں مبتلا کر دیتے ہیں، نفرتوں کو ہوا دیتے ہیں۔ الگ الگ ناموں سے یہ کام کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں ''پین ایرانزم''، ''پین عربزم''، ''پین ترکزم'' وغیرہ کی باتیں تھیں۔ پھر شیعہ، سنی اور تکفیریت وغیرہ کا مسئلہ اٹھا۔ جس طرح بھی ممکن ہو اختلاف بھڑکاتے ہیں۔ یہ ان کے اقدامات کی ایک مثال ہے جس پر وہ بڑی تن دہی سے کام کر رہے ہیں۔ ویسے اس کام کے ماہر تو برطانوی تھے۔ مذہبی تنازعے کھڑے کرنے میں وہ خاص مہارت رکھتے ہیں، امریکیوں نے بھی یہ فن انہی سے سیکھا ہے اور آج اس کام پر اپنی پوری توانائی صرف کر رہے ہیں۔ یہ تکفیری گروہ جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ سب انہی کے ایجاد کردہ ہیں۔ ہم کئی سال پہلے سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ہماری اس بات میں شبہ تھا۔ مگر آج خود امریکی یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ داعش کو انہوں نے تشکیل دیا ہے۔ وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ النصرہ فرنٹ کو انہوں نے ہی ایجاد کیا ہے۔ تکفیریوں کی تشکیل انہوں نے ہی کی ہے۔ انہوں نے خود بنایا ہے۔ اب کچھ سچے مگر سادہ لوح مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے ہیں، یہ سب سے اہم چیز ہے۔

جو چیز ہمارے لئے بڑی عبرت آموز ہے اور جس پر ہمیں بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے، یہ ہے کہ کبھی کبھی نیک نیت رکھنے والے افراد بھی بے بصیرتی کی وجہ سے، دشمن کے منصوبے کے مطابق کام کرنے لگتے ہیں۔ یہی ہوا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال شام کی ہے۔ جب تیونس میں اور مصر میں اسلامی نعروں کی گونج سے طاغوتی حکومتیں گر گئیں تو فی الفور امریکیوں نے اور اسرائیل کے آلہ کاروں نے مزاحمتی حکومتوں اور مزاحمتی ملکوں کو نابود کرنے کیلئے یہی فارمولا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ شام کی طرف بڑھے۔ بصیرت سے عاری کچھ سادہ لوح مسلمان اس منصوبے کا جز بن گئے اور شام کی ایسی درگت کر دی کہ آج آپ چار پانچ سال سے دیکھ رہے ہیں کہ ملک تلاطم میں مبتلا ہے اور کچھ نہیں معلوم کہ کب تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ یہ کام دشمن نے کیا اور کچھ سادہ لوح مسلمان دشمن کے منصوبے کا حصہ بن گئے اور اس کے بچھائے ہوئے جال کی تکمیل کا کام انہوں نے کیا۔ یہ چیز بہت سے مواقع پر دیکھنے میں آتی ہے۔

تکفیری تنظیموں کی تشکیل انہوں نے ہی کی۔ گستاخ، خونخوار اور بے رحم تنظیموں کی تشکیل انہی کے ہاتھوں ہوئی اور پھر یہی تنظیمیں امت مسلمہ کی جان کو آ گئی ہیں۔ اسے وہ مذہبی جنگ کا نام دیتے ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آج آپ عراق میں، شام میں اور دیگر جگہوں پر جو تنازعات دیکھ رہے ہیں اور جنہیں فرقہ وارانہ جنگ کا نام دیا جا رہا ہے، یہ فرقہ وارانہ جنگ نہیں ہے۔ یہ سیاسی تصادم ہے۔ یمن میں جاری جنگ، سیاسی تصادم ہے۔ اسے شیعہ سنی جھگڑے کا نام دینا غلط ہے۔ یہ شیعہ سنی جنگ نہیں ہے۔ یمن پر سعودی عرب کی بمباری کے نتیجے میں جو عورتیں، بچے اور شیر خوار قتل ہو رہے ہیں، جو اسپتالوں اور اسکولوں سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں ان میں کچھ تعداد شافعی مسلک افراد کی ہے، کچھ لوگ زیدی ہیں۔ تو یہ شیعہ اور سنی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سیاسی مفادات کا جھگڑا ہے، یہ اقتدار کی لڑائی ہے۔

علاقے میں انہوں نے اس طرح کے حالات پیدا کر دئے ہیں۔ اختلافات کے شعلے بھڑکا دئے ہیں۔ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اختلافات کی آگ ٹھنڈی ہو۔ ہم نے اعلانیہ طور پر واضح انداز میں سب

سے کہا ہے کہ: ہم علاقے کی تمام مسلم حکومتوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ مسلم حکومتوں سے ہمیں کوئی مشکل نہیں ہے۔ بہت سے ہمسایہ ممالک بلکہ اکثر ہمسایہ ملکوں سے ہمارے روابط برادرانہ اور دوستانہ ہیں۔ شمال میں، جنوب میں، مغرب میں اور مشرق میں جو ممالک اسلامی جمہوریہ ایران کے اطراف میں واقع ہیں، ان کے ساتھ ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔ البتہ بعض کے ساتھ تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے اور وہ اڑیل رویہ اختیار کرتے ہیں، خباثت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہ بھی ہو رہا ہے۔ مگر بہرحال ہمارا عزم ہمسایہ ملکوں سے، حکومتوں سے اور خاص طور پر قوموں سے، اچھے روابط رکھنے کا ہے۔ قوموں سے ہمارے ملک کے تعلقات اچھے ہیں۔

البتہ ہم اپنے اصولوں کے پابند رہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اصولوں کی پاسبانی کی جانی چاہیے۔ ہمارے عظیم قائد (امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ) اصولوں کی پابندی کی برکت سے اسلامی انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے، اسے محفوظ رکھنے اور اسلامی جمہوریہ کو ثبات عطا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ اصولوں کے پابند تھے۔ ایک اصول ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾۔[1] ہم دشمنوں سے، استکباری طاقتوں سے صلح کے قائل نہیں ہیں اور مسلم بھائیوں سے دشمنی و عداوت نہیں چاہتے۔ ان سے ہم دوستی و صداقت و اخوت کے خواہشمند ہیں، کیونکہ ہمارا یہ نظریہ ہے کہ کفار کے سلسلے میں سخت گیر اور آپس میں رحمدل ہونا چاہیے۔ یہ ہمارے عظیم قائد امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا درس ہے۔ یہ اسلامی جمہوریہ کی مسلمہ پالیسی ہے۔ ہم مظلوم کی حمایت کے معاملے میں اس کے مسلک و مذہب کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے کبھی اسے بنیاد نہیں بنایا۔ یہی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی روش تھی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ لبنان میں شیعہ مزاحمتی تحریک کے سلسلے میں جو فکر رکھتے تھے وہی برتاؤ فلسطین کی سنی مزاحمتی تحریک سے کرتے تھے۔ کوئی فرق نہیں تھا۔ ہم نے لبنان میں اپنے بھائیوں کی جو مدد و حمایت کی، وہی مدد غزہ میں بھی اپنے بھائیوں کو فراہم کی۔ بغیر کسی فرق اور امتیاز کے کہ وہ سنی ہیں، یہ شیعہ ہیں۔ ہمارا ہدف اسلامی تشخص کی حمایت و دفاع کرنا ہے، مظلوم کی مدد کرنا ہے، مسئلہ فلسطین کی مدد کرنا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے علاقائی مسائل میں سب سے

---

[1] سورۂ فتح، آیت ۲۹۔ ترجمہ: ''کفار کے خلاف سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں''۔

اہم مسئلہ فلسطین کا بحران ہے۔ یہ ہمارے لئے کلیدی مسئلہ ہے۔ اسی طرح ہماری دشمنی میں بھی اس طرح کے فرق نہیں ہیں۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد رضا پہلوی کے خلاف بھی، جو ظاہری طور پر شیعہ تھا، وہی جدوجہد کی جو جدوجہد صدام حسین کے خلاف کی، جو ظاہری طور پر سنی تھا۔ البتہ حقیقت میں دیکھا جائے تو نہ محمد رضا پہلوی شیعہ تھا اور نہ صدام حسین سنی تھا۔ دونوں ہی اسلام سے بیگانہ تھے۔ مگر ظاہری طور پر یہ سنی تھا اور وہ شیعہ تھا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں سے یکساں انداز میں جہاد کیا۔ تو یہ شیعہ سنی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اسلام کے اصولوں کا معاملہ ہے۔ (جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:)

كُونَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَلِلْمَظْلُومِ عَوْنًا۔

ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔[1]

یہ اسلام کا حکم ہے۔ یہ ہمارا راستہ ہے، یہ ہماری سمت و جہت ہے۔

دنیائے اسلام میں اختلافات کو ہوا دینے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض شیعہ جماعتیں اپنے اقدامات سے اختلاف کی جو آگ بھڑکاتی ہیں، ہم اس کے خلاف ہیں۔ ہم نے صریحی طور پر اعلان کر دیا ہے کہ اہل سنت کے مقدسات کی توہین کے ہم خلاف ہیں۔ کچھ لوگ ایک طرف سے اور کچھ دوسرے لوگ دوسری جانب سے دشمنی کی آگ پر تیل ڈالنے کا کام کرتے ہیں، اس میں اور شدت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے افراد کی نیت صاف ہے، لیکن بصیرت کا فقدان ہے۔ بصیرت بہت ضروری ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ دشمن کی سازش کیا ہے۔

دشمن کی سازش کا سب سے پہلا باب اختلافات کی آگ کو ہوا دینا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ اسلامی ملکوں میں، اس علاقے کے ملکوں میں ایسا اثر ورسوخ پیدا کر لیں جو دسیوں سال تک قائم رہے۔ آج اس علاقے میں امریکہ کی ماضی جیسی عزت نہیں رہ گئی ہے۔ امریکی اپنی اسی ساکھ کو بحال کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ہمارے وطن عزیز کے اندر بھی وہ یہی کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی وہ یہی کرنا چاہتے ہیں۔ ایران کے سلسلے میں بھی ان کی یہی نیت ہے۔ ایٹمی مذاکرات میں اور اس اتفاق رائے کے

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۴۷۔

ذریعے جس کا مستقبل ابھی واضح نہیں ہے، نہ امریکا میں اور نہ ہی ہمارے یہاں ابھی یہ پتہ نہیں ہے کہ اسے قبول کیا جائے گا یا مسترد کر دیا جائے گا، ان کا ارادہ یہ تھا کہ ان مذاکرات کو اور اس معاہدے کو ایران کے اندر پاؤں جمانے کا ذریعہ بنائیں۔ ہم نے یہ راستہ بند کر دیا اور آگے بھی سختی کے ساتھ اس کا سد باب کرتے رہیں گے۔ ہم اپنے ملک میں امریکہ کو نہ تو اقتصادی رسوخ قائم کرنے دیں گے، نہ سیاسی اثر پیدا کرنے کا موقع دیں گے۔ نہ سیاسی دخل اندازی کی اجازت دیں گے، نہ ثقافتی غلبہ حاصل کرنے کا موقع دیں گے۔ اپنی پوری توانائی سے جو بحمد اللہ آج کافی زیادہ ہے، ہم مقابلہ کریں گے اور اجازت نہیں دیں گے۔

علاقے کے سلسلے میں بھی ان کا یہی منصوبہ ہے۔ وہ علاقے میں اثر و رسوخ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے لئے جگہ بنانا چاہتے ہیں۔ علاقے میں اپنے خاص مفادات کے حصول کیلئے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالی کی نصرت و مدد سے ہم جہاں تک ممکن ہوا، ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ علاقے میں ہماری پالیسیاں امریکی پالیسیوں کے عین مخالف سمت میں ہیں۔ علاقے کے ملکوں کی جغرافیائی سالمیت ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ عراق کی ارضی سالمیت اور شام کی ارضی سالمیت ہمارے لئے حد درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ مگر وہ تقسیم کیلئے کوشاں ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ امریکی عراق کو تقسیم کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو شام کو بھی تقسیم کر دیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مطیع فرمان رہنے والے چھوٹے چھوٹے ممالک تشکیل دیئے جائیں۔ اللہ نے چاہا تو یہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔

ہم علاقے میں اسلامی مزاحمت کی حمایت کرتے ہیں۔ فلسطین کی مزاحمت کی حمایت کرتے ہیں۔ امت اسلامیہ کی تاریخ کا ایک انتہائی نمایاں اور اہم مسئلہ فلسطین کی مزاحمت ہے۔ جو بھی اسرائیل کا مقابلہ کرے، صیہونی حکومت پر حملہ کرے اور اسلامی مزاحمت کی مدد کرے، ہم اس کی حمایت کریں گے، اس کی پشت پناہی کریں گے۔ ہر طرح کی حمایت کریں گے جو ہمارے امکان میں ہو۔ صیہونی حکومت سے لڑنے والے ہر شخص کی جس طرح بھی ممکن ہے ہم حمایت کریں گے۔ اسلامی مزاحمت کی حمایت کریں گے، ملکوں کی ارضی سالمیت کی حمایت کریں گے۔ امریکہ کی تفرقہ انگیز پالیسیوں کا مقابلہ کرنے والے تمام

افراد کی حمایت کریں گے۔ جو بھی تفرقہ انگیزی کرے ہم اس کے خلاف ہیں۔ وہ تشیع جس کی تشہیراتی مہم کا مرکز اور ٹھکانہ لندن ہے، ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ تشیع نہیں ہے جس کی ترویج آئمہ علیہم السلام نے فرمائی اور جس کا حکم دیا۔ جس تشیع کی بنیاد اختلاف ڈالنا اور دشمنان اسلام کی رخنہ اندازی کیلئے راستہ ہموار کرنا ہو وہ تشیع نہیں ہے۔ یہ سراسر انحراف ہے۔ تشیع حقیقی اور خالص اسلام کا مظہر و آئینہ ہے، قرآن کا آئینہ ہے۔

ہم اتحاد بین المسلمین کو تقویت پہنچانے والوں کے حامی ہیں، اتحاد کے خلاف کام کرنے والوں کے ہم مخالف ہیں۔ ہم تمام مظلومین کا دفاع کرتے ہیں۔ اس طرح کی باتوں سے جو کہی جاتی ہیں کہ "آپ تو بحرین وغیرہ کے معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہیں"! ہم میدان سے باہر نکلنے والے نہیں ہیں۔ ہم نے کوئی دخل اندازی نہیں کی ہے، لیکن ان کی حمایت کرتے ہیں۔ بحرین کے مظلوم عوام کیلئے اور یمن کے مظلوم عوام کیلئے ہمارا دل جلتا ہے، ہم ان کیلئے دُعا کرتے ہیں، جیسے بھی ممکن ہو ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔ آج واقعی یمن کے عوام اور یمنی قوم بہت مظلوم ہے۔ ایک ملک کو استکباری اہداف اور سیاسی مفادات کی خاطر بڑے احمقانہ انداز میں تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔ سیاسی مفادات کی تکمیل دوسرے راستوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ اپنے سیاسی اہداف حماقت آمیز انداز میں حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے یمن کے واقعات بڑے دردناک ہیں۔ اسی طرح عالم اسلام میں، پاکستان میں، افغانستان میں اور دوسری جگہوں پر رونما ہونے والے دوسرے بھی واقعات واقعی بڑے المناک ہیں۔ عالم اسلام کو چاہئے کہ بیداری و بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مسائل کو حل کرے۔

ریڈیو اور ٹی وی نشریات کی اس یونین کے بارے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ یونین بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کام جو آپ نے شروع کیا یعنی یہ یونین جو تشکیل دی، یہ بہت بڑا کام ہے۔ آپ دیکھئے کہ آج مسلم ممالک میں کم از کم ستر فیصدی یا اسی فیصدی عوام دینی اصولوں اور عقائد کے پابند ہیں۔ آپ اسلامی ملکوں کے حالات کا جائزہ لیجئے، عوام آپ کو دیندار نظر آئیں گے، لوگ اپنے دین کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ریڈیو اور ٹی وی نشریات جنہیں عوام کی خواہشات کی نمائندگی کرنا چاہیے، اسلامی ملکوں میں کس حد تک دین کی پابندی کا مظاہرہ کرتی ہیں؟ دونوں کے درمیان موجود فاصلہ بڑا عجیب ہے۔

یہ بہت بڑی خلیج ہے۔ 70 فیصد عوام، 80 فیصد عوام دینی رجحان رکھتے ہیں، لیکن انہی ملکوں میں ریڈیو اور ٹی وی نشریات دینی سمت میں آگے نہ بڑھیں اور عوام کی مرضی ومنشا کی عکاسی نہ کریں تو یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔ یہ نشریات بھی وہی چیزیں دکھاتی اور پیش کرتی ہیں جو استکبار کے خطرناک ذرائع ابلاغ کی منشا ہوتی ہے۔

استکبار کے پاس آج ذرائع ابلاغ کا بہت وسیع نیٹ ورک ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق خبروں میں تحریف کر لیتے ہیں، حقائق کو چھپا دیتے ہیں، جھوٹی باتیں پھیلاتے ہیں، اپنی پالیسیوں کو اس طرح لوگوں کے ذہنوں میں ڈالتے ہیں۔ اوپر سے یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ''ہم تو غیر جانبدار ہیں!'' برطانیہ کا ریڈیو دعوی کرتا ہے کہ ہم غیر جانبدار ہیں۔ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ کیسی غیر جانبداری؟ یہ ادارے استعماری اور استکباری پالیسیوں سے پوری طرح ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ خواہ وہ امریکی پالیسیاں ہوں، یا برطانوی پالیسیاں ہوں، خواہ وہ الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا، نیوز ایجنسیاں ہوں یا وہ عجیب وغریب مواصلاتی ذرائع جو آج وجود میں آگئے ہیں۔ سب کے سب استکباری پالیسیوں کے مطابق عمل کرتے ہیں، استکبار کی خدمت کرتے ہیں۔ صیہونزم کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کے اہداف کی تکمیل کیلئے کام کرتے ہیں۔ اس خطرناک ابلاغیاتی سامراج اور اس تشہیراتی مافیا کے خلاف جو امریکی اور صیہونی سرمایہ داروں اور کمپنیوں کے اختیار میں ہے، کچھ کرنا چاہیے۔ جو کام آپ کر رہے ہیں وہ ایک نئی تحریک کی شروعات ہے۔ اس راستے پر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کو تقویت پہنچانے کی ضرورت ہے۔ آپ کے شرکاء اور معاونین کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے۔

ان شاء اللہ بہت اچھا مستقبل آپ کے انتظار میں ہے۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ استکبار لاکھ رجز خوانی کر لے، استکباری قوتیں اور ان کی ہمنوا حکومتیں مالیاتی، عسکری، سیاسی اور سیکورٹی وسائل کی مدد سے لاکھ کوششیں کر لیں، اس علاقے میں اور ساری اسلامی دنیا میں مستقبل یقینی طور پر اسلام کا ہے۔

ان شاء اللہ اسلام کا وقار روز بروز بڑھتا جائے گا اور اسلام کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ البتہ اس کیلئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ بحمد اللہ ساری اسلامی دنیا میں مجاہد انسان، مجاہد عورتیں اور مرد، مجاہد نوجوان بکثرت موجود ہیں۔ ہمیں ان کی قدر کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے نعروں، اپنے اقدامات، اپنے بیانوں اور سرگرمیوں کو اسی سمت و جہت کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔

(ارشاد الٰہی ہے:)

﴿اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝﴾

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔[1]

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲

تقویٰ، اعمال کی قبولیت کا ضامن

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَقِلُّ عَمَلٌ مَعَ تَقْوٰى وَكَيْفَ يَقِلُّ مَا يُتَقَبَّلُ۔

تقویٰ کے ساتھ کیا گیا عمل ہرگز کم نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو عمل اللہ کے ہاں مقبول ہو، وہ تھوڑا کیسے ہوسکتا ہے۔

(تحف العقول، ص ۳۱۸)

---

[1] سورۂ محمدؐ، آیت ۷۔

قسط:12

شیعہ اسلامی عقائد

{امام شناسی}

از: علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

امامت اور دین کے باطنی اعمال میں اس کا کردار

جس طرح امام لوگوں کے ظاہری اعمال کے بارے میں ان کا رہنما اور پیشوا ہوتا ہے، اسی طرح وہ ان کی اندرونی اور باطنی پیشوائی اور رہنمائی بھی کرتا ہے۔ وہ انسانیت کے اس قافلے کا سالار ہے جو باطن کی راہ سے اللہ کی جانب حرکت کر رہا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل دو تمہیدی وضاحتوں پر توجہ دینی چاہیے:

پہلی تمہید:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور دوسرے آسمانی مذاہب کی نظر میں انسان کی حقیقی اور ابدی نیک بختی یا بدبختی کا موجب اس کے اچھے اور برے اعمال ہیں جن کے بارے میں وہ اپنی خداداد فطرت کے ذریعے بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ وحی اور نبوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خود ہم انسانوں کی زبان میں ہمارے اور معاشرے کی مناسبت سے انسانی اعمال کی اچھائی یا برائی بیان کی ہے۔ اس نے ان لوگوں سے جو اچھے کام کرتے ہیں ایک ابدی اور خوش بختی سے معمور زندگی کا وعدہ کیا ہے جس میں ان کی وہ تمام خواہشات پوری ہوں گی جو انسانی کمال سے مطابقت رکھتی ہوں۔ جہاں تک بدکاروں اور ظالموں کا تعلق ہے تو انہیں ایک ایسی تلخ جاودانی زندگی کی خبر دی گئی ہے جس میں انہیں ہر قسم کی بدبختی اور ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کردگار عالم جو ہر لحاظ سے ہمارے تصور سے بالاتر ہے ہماری طرح ایک ایسا اندازِ فکر نہیں رکھتا جو ایک مخصوص سماجی ڈھانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ خادم و مخدوم، حاکم اور محکوم، امر و نہی اور جزا و سزا کے رشتے ہماری معاشرتی زندگی سے ہٹ کر کوئی وجود نہیں رکھتے۔

خدائی نظام تخلیق کا نظام ہے جس میں ہر چیز کی ہستی اور پیدائش حقیقی روابط کے مطابق اللہ کی خلاقیت سے تعلق رکھتی ہے اور بس۔ علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن[1] اور احادیث نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے دین ایسے حقائق اور معارف پر مشتمل ہے جو عام انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری سوچ کے مطابق اور ایک ایسی زبان میں جسے ہم سمجھ سکیں ہمارے لئے نازل فرمایا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور انسان کی آئندہ جاودانی زندگی کے مابین ایک حقیقی رشتہ و ربط ہے۔ ایک ایسا ربط جو اللہ کی مرضی کے مطابق آئندہ کی خوشگوار زندگی متعین کرتا ہے یا زیادہ سادہ الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر اچھا یا برا فعل انسان کی روح پر ایک حقیقی اثر ڈالتا ہے۔ جس سے اس کی آئندہ زندگی کی نوعیت متعین ہوتی ہے۔

انسان سمجھے یا نہ سمجھے اس کی کیفیت ایک ایسے بچے کی سی ہوتی ہے جسے تربیت دی جا رہی ہو۔ بچہ استاد کی ہدایت سے بجز اس کے کچھ نہیں سمجھتا کہ یہ کام کرو یا یہ کام نہ کرو اور جو کام وہ کرتا ہے ان کی حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے، لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو ان اچھی ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے جو وہ تربیت کے دنوں میں اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، وہ ایک خوشگوار اور معاشرتی زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر وہ استاد کی ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کر دے تو سوائے بدبختی کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یا انسان ایک ایسے مریض کی مانند ہوتا ہے جو ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق دوائیں اور خوراک استعمال کرتا ہے اور مخصوص ورزش کرتا ہے اور ڈاکٹر کا حکم ماننے کے علاوہ اسے کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں

---

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾: ''کتاب مبین کی قسم کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم سمجھو۔ بے شک یہ قرآن ام الکتاب میں (بھی جو) ہمارے پاس ہے محفوظ ہے جو بڑے رتبے کی اور حکمت سے پر ہے''۔ (سورۂ زخرف، آیت ۲۔۴)

ہوتا۔ چنانچہ ان احکام کی اس بجا آوری کے نتیجے میں اس کے بدن میں ایک توازن پیدا ہو جاتا ہے جو صحت کی بحالی اور ہر قسم کی خوشی اور جسمانی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس ظاہری زندگی کے اندر انسان ایک باطنی یا روحانی زندگی بھی رکھتا ہے جس کا تعلق اس کے اعمال سے ہوتا ہے اور جو ان اعمال کے مطابق نشوونما پاتی ہے اور یہ کہ آخرت میں اس کی خوش بختی اور بدبختی کا انحصار مکمل طور پر اس باطنی زندگی پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید بھی اس نظریے کی تائید کرتا ہے اور بہت سی آیات کے مطابق اس امر کا قائل ہے کہ ایماندار اور نیکوکار لوگوں کو ایک اور زندگی اور ایک روح میسر ہوگی۔ وہ زندگی اس زندگی سے بہتر اور وہ روح موجودہ روح سے زیادہ درخشاں ہوگی۔ وہ یہ بات بھی وثوق سے کہتا ہے کہ انسان کے اعمال اس کی روح پر باطنی اثرات ڈالتے ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل آیات مجیدہ اس طرف اشارہ کررہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ۝٢١ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝٢٢﴾

ہر شخص (ہمارے سامنے) اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہنکانے والا اور ایک (اعمال کا) گواہ ہوگا (اس سے کہا جائے گا) کہ اس دن سے تو غفلت میں مبتلا تھا۔ اب ہم نے تیرے سامنے سے پردے ہٹا دیے تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔[1]

پھر ارشاد ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩٧﴾

مرد ہو یا عورت، جو شخص نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہو، اسے دنیا میں بھی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی جو کچھ وہ کرتا تھا اس کا اچھے سے اچھا اجر دیں گے۔[2]

---

[1] سورۂ ق، آیت ۲۱۔ ۲۲۔

[2] سورۂ نحل، آیت ۹۷۔

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۚ﴾

اے ایمان والو! جب ہمارا رسول تمہیں ایسے کام کیلئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم اللہ اور رسول کا حکم دل سے قبول کر لو۔[1]

نیز ارشاد ہے:

﴿کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ﴾

(اس دن کو یاد رکھو) جس دن ہر شخص کہ جس نے دنیا میں کوئی نیکی کی ہے اور جو برائی کی ہے اسے موجود پائے گا۔[2]

اسی طرح یہ بھی فرمایا:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَهُمۡ ۚ﴾

ہم ہی یقیناً مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ لوگ پہلے کر چکے ہیں (اسے) اور ان کی (اچھی یا بری باقی ماندہ) نشانیوں کو لکھتے جاتے ہیں۔[3]

اسی طرح احادیث نبوی میں بھی متعدد مقامات پر اس نکتے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث معراج میں اللہ تعالی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے:

فَمَنۡ عَمِلَ بِرِضَائِیۡ اُلۡزِمُهُ ثَلَاثَ خِصَالٍ اُعَرِّفُهُ: شُکۡرًا لَّا یُخَالِطُهُ الۡجَهۡلُ وَ ذِکۡرًا لَّا یُخَالِطُهُ النِّسۡیَانُ وَ مَحَبَّةً لَّا یُؤۡثِرُ عَلٰی مَحَبَّتِیۡ مَحَبَّةَ الۡمَخۡلُوۡقِیۡنَ. فَاِذَا اَحَبَّنِیۡ اَحۡبَبۡتُهُ وَ اَفۡتَحُ عَیۡنَ قَلۡبِهِ اِلٰی جَلَالِیۡ فَلَا اُخۡفِیۡ عَلَیۡهِ خَاصَّةَ خَلۡقِیۡ فَاُنَاجِیۡهِ فِیۡ ظُلَمِ اللَّیۡلِ وَ نُوۡرِ النَّهَارِ حَتّٰی یَنۡقَطِعَ حَدِیۡثُهُ مِنَ الۡمَخۡلُوۡقِیۡنَ وَ مُجَالَسَتُهُ مَعَهُمۡ وَ اُسۡمِعُهُ کَلَامِیۡ وَ کَلَامَ

---

[1] سورۂ انفال، آیت ۲۴۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۳۰۔

[3] سورۂ یٰس، آیت ۱۲۔

مَلٰٓئِکَتِیْ وَ اُعَرِّفُهُ السِّرَّ الَّذِیْ سَتَرْتُهٗ عَنْ خَلْقِیْ وَ اُلْبِسُهُ الْحَیَآءَ حَتّٰی یَسْتَحِیَ مِنْهُ الْخَلْقُ کُلُّهُمْ وَ یَمْشِیَ عَلَی الْاَرْضِ مَغْفُوْرًا لَّهٗ وَ اَجْعَلَ قَلْبَهٗ وَاعِیًا وَّ بَصِیْرًا وَّ لَا اُخْفِیْ عَلَیْهِ شَیْئًا مِّنْ جَنَّةٍ وَّ لَا نَارٍ وَّ اُعَرِّفُهٗ بِمَا یَمُرُّ عَلَی النَّاسِ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْهَوْلِ وَ الشِّدَّةِ۔

جو شخص میری مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہے اس میں تین خصوصیتیں پائی جانی چاہئیں: ۱) ایسی شکرگزاری جس میں جہالت کی آلائش نہ ہو، ۲) ایک ایسی یاد جس پر فراموشی کی گرد نہ جمے، ۳) ایسی محبت جس میں مخلوق کی محبت کو میری محبت پر ترجیح نہ دی گئی ہو۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرے گا تو میں بھی اس سے محبت کروں گا۔ میں اس کے دل کی آنکھ اپنے جلال کے نظارے سے کھول دوں گا اور اپنی مخلوق کی صفات اس سے پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔ میں اسے رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں اپنا رازداں بناؤں گا۔ میں اسے اپنے فرشتوں کے الفاظ سناؤں گا۔ میں نے جو راز اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے وہ اس پر ظاہر کر دوں گا۔ میں اسے حیاء کی ایسی خلعت پہناؤں گا حتی کہ مخلوق اس سے شرمانے لگے گی۔ وہ زمین پر اس حالت میں چلے گا کہ اسے معاف کر دیا گیا ہوگا۔ میں اس کے دل کو احساس اور بصیرت بخشوں گا اور اس سے بہشت اور دوزخ کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔ میں اسے اس خوف اور مصیبت سے مطلع کروں گا جس سے لوگ قیامت کے دن دوچار ہوں گے۔[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپؐ کے ایک صحابی جناب حارثہ بن مالک بن نعمان انصاری سے ہونے والی گفتگو نقل کی ہے:

کَیْفَ اَنْتَ یَا حَارِثَةَ بْنَ مَالِكٍ؟ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ؟ مُؤْمِنٌ حَقًّا. فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ (ص): لِکُلِّ شَیْءٍ حَقِیْقَةٌ فَمَا حَقِیْقَةُ قَوْلِكَ؟ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! عَزَفَتْ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا فَاَسْهَرَتْ لَیْلِیْ وَ اَظْمَاَتْ هَوَاجِرِیْ وَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی

---

[۱] ارشاد القلوب، دیلمی، ج ۱، ص ۲۰۴-۲۰۵۔

عَرْشِ رَبِّیْ [وَ] قَدْ وُضِعَ لِلْحِسَابِ وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِی الْجَنَّةِ وَ كَاَنِّیْ اَسْمَعُ عُوَآءَ اَهْلِ النَّارِ فِی النَّارِ . فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص): عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَبْصَرْتَ فَاثْبُتْ۔

اے حارث! تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: یارسول اللہؐ! میں ایک سچے مومن کی طرح زندگی گزار رہا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہر چیز کی اپنی حقیقت ہوتی ہے، جو کچھ تم نے کہا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟'' اس نے جواب دیا: یارسول اللہؐ! میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے۔ میری راتیں جاگتے ہوئے اور میرے دن پیاس کی حالت میں گزرتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا میں اپنے پروردگار کے عرش پر نظریں جمائے ہوئے ہوں اور حساب و کتاب طے ہو گیا ہے اور یوں معلوم ہوتا گویا میں بہشت کے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخ کے لوگوں کی چیخ و پکار سن رہا ہوں۔ یہ سن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ بندہ ہے جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے۔ (اے حارث!) اللہ نے تجھے بصیرت سے نواز دیا ہے، پس اس کی حفاظت کرو''۔[1]

دوسری تمہید:

یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص دوسرے کی اچھے یا برے کام کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن جو کچھ کہتا ہے اس پر خود عمل نہیں کرتا، تاہم پیغمبروں اور اماموں کے معاملے میں جن کی ہدایت اور پیشوائی اللہ کے امر کے مطابق ہوتی ہے، اس قسم کی صورت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ جس دین کی جانب لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور جس روحانی زندگی کی دعوت دیتے ہیں، ان کی اپنی زندگی بالکل اس کے عین مطابق ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی شخص کی خود ہدایت نہ کرے اسے دوسروں کا ہادی اور پیشوا نہیں بناتا اور اللہ کی خاص ہدایت کی خلاف ورزی ہرگز ممکن نہیں۔

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۵۴۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَمَنۡ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا یَہِدِّیۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّہۡدٰی ۚ فَمَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۵﴾﴾

جو شخص دین کی راہ دکھاتا ہے کیا وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جو خود ہی جب تک دوسرا اسے راہ نہ دکھائے راہ نہیں دیکھ سکتا۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم لوگ کیسے فیصلے کرتے ہو؟۔[1]

اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

- ۱۔ ہر امت میں اس کے پیغمبر اور امام جس روحانی اور دینی زندگی کے کمال کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے ہیں، وہ خود اس پر عمل کے لحاظ سے پہلا مقام رکھتے ہیں، کیونکہ اپنی تعلیمات پر خود کما حقہ عمل کرتے ہیں اور روحانیت و معنویت کے کمال کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔
- ۲۔ چونکہ وہ لوگوں میں پہلا مقام رکھتے ہیں اور امت کے پیشوا اور رہنما ہوتے ہیں اس لیے وہ سب سے افضل اور کامل انسان ہوتے ہیں۔
- ۳۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امت کی رہنمائی پر مامور ہو وہ جس طرح لوگوں کی ظاہری زندگی اور اعمال میں ان کا رہنما ہوتا ہے اسی طرح وہ روحانی زندگی میں بھی ان کا رہنما ہوتا ہے اور انسانی زندگی کے باطنی پہلو اور دینی اعمال کا انحصار اس کی رہنمائی پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ﴾

ہم نے انہیں لوگوں کا پیشوا (امام) بنایا جو کہ ہمارے حکم سے (انکی) ہدایت کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے کی وحی بھیجی۔[2]

نیز ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ یونس، آیت ۳۵۔

[2] سورۂ انبیاء، آیت ۷۳۔

﴿وَ جَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ۟ؕ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾

جب وہ ثابت قدم ہو گئے اور ہماری وحی پر پختہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان میں
سے پیشوا (امام) مقرر کئے جو ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے۔[1]

مذکورہ دو آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ظاہری پیشوا اور رہنما ہونے کے علاوہ امام لوگوں کی رہنمائی کرنے اور انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی ایک روحانی طاقت بھی رکھتا ہے جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ وہ صداقت، نور اور اپنی ہستی کی باطنی کیفیت کی بدولت لوگوں کے دلوں کو متاثر اور مسخر کرتا ہے اور یوں امام لوگوں کو کمال اور ہستی کے اصلی ہدف کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

اسلام کے امام اور پیشوا

(امام شناسی کے باب میں پیش کی گئی) سابقہ ابحاث میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ہم اسے نتیجے پر پہنچے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امت مسلمہ میں ہمیشہ ایک امام (یعنی اللہ کا منتخب پیشوا) موجود رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ شیعہ کتب روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث منقول ہیں جن میں بڑے واضح انداز سے سے آئمہ علیہم السلام کے اوصاف پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی تعداد بتائی گئی ہے۔ یہ ان روایات میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان سب کا تعلق قبیلہ قریش اور اہلبیت رسولؐ سے ہے اور مہدی موعود علیہ السلام بھی انہی میں سے ہیں اور ان میں آخری ہیں۔

ملاحظہ ہوں چند روایات:

عَنۡ جَابِرِ بۡنِ سَمُرَةَ، قَالَ: سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوۡلُ: لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيۡنُ عَزِيۡزًا اِلَى اثۡنَىۡ عَشَرَ خَلِيۡفَةً. قَالَ: فَكَبَّرَ النَّاسُ وَ ضَجُّوۡا. ثُمَّ قَالَ: كَلِمَةً خَفِيۡفَةً. قُلۡتُ لِاَبِيۡ: يَا اَبَتِ! مَا قَالَ: قَالَ: كُلُّهُمۡ مِنۡ قُرَيۡشٍ۔

جابر ابن سمرۃ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "بارہ

---

[1] سورۂ سجدہ، آیت ۲۴۔

خلفاء کے دور تک یہ دین طاقتور رہے گا''۔ جابر کہتے ہیں: (یہ سن کر) لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور شور کرنا شروع کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے کچھ کہا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: بابا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ میرے باپ نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''تمام خلفاء قریش میں سے ہوں گے''۔[1]

ایسی کئی اور احادیث بھی ہیں۔ جیسے حضرت سلمان فارسیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَاِذَا الْحُسَيْنُ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَهُوَ يُقَبِّلُ عَيْنَيْهِ وَيُقَبِّلُ فَاهُ وَيَقُوْلُ: اَنْتَ سَيِّدٌ ابْنُ سَيِّدٍ وَّاَنْتَ اِمَامٌ ابْنُ اِمَامٍ وَّاَنْتَ حُجَّةٌ ابْنُ حُجَّةٍ وَّاَنْتَ اَبُوْ حُجَجٍ تِسْعَةٍ. تَاسِعُهُمْ قَآئِمُهُمْ۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام ان کے زانوئے مبارک پر بیٹھے ہیں اور آنحضرتؐ ان کی آنکھیں اور منہ چوم رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: ''تم شریف ابن شریف، امام ابن امام اور حجت ابن حجت ہو اور تم نو حجتوں کے باپ ہو جن میں سے نواں ان کا قائم ہے''۔[2]

علاوہ ازیں حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور ان کے پہلا امام ہونے کے بارے میں، نیز دوسرے آئمہ علیہم السلام کی امامت کے متعلق بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قطعی ارشادت موجود ہیں۔ اسی طرح پیشرو اماموں نے اپنے بعد آنے والوں کی امامت کے متعلق واضح طور پر بتایا ہے۔[3]

---

[1] سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۰۷، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۴۸ھ۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۹۳۔

[2] ینابیع المودۃ، صفحہ ۳۰۸۔

[3] دیکھئے: الغدیر۔ غایت المرام۔ اثبات الہداۃ محمد ابن حسن حر عاملی۔ ذخائر العقبیٰ۔ مناقب خوارزمی۔۔ تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی۔ ینابیع المودۃ۔ الفصول المہمۃ۔ دلائل الامامۃ۔ النص والاجتہاد، شرف الدین موسوی۔ الکافی۔ الارشاد۔

بنابریں ان ارشادات کے مطابق جو شیعہ اثنا عشری مآخذ میں موجود ہیں اماموں کی کل تعداد بارہ ہے اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔	حضرت امام علی ابن ابی طالب	المرتضٰی	علیہ السلام
۲۔	حضرت امام حسن ابن علی	المجتبٰی	علیہ السلام
۳۔	حضرت امام حسین ابن علی	الشہید	علیہ السلام
۴۔	حضرت امام علی ابن حسین	السجاد	علیہ السلام
۵۔	حضرت امام محمد ابن علی	الباقر	علیہ السلام
۶۔	حضرت امام جعفر ابن محمد	الصادق	علیہ السلام
۷۔	حضرت امام موسی ابن جعفر	الکاظم	علیہ السلام
۸۔	حضرت امام علی ابن موسی	الرضا	علیہ السلام
۹۔	حضرت امام محمد ابن علی	التقی	علیہ السلام
۱۰۔	حضرت امام علی ابن محمد	النقی	علیہ السلام
۱۱۔	حضرت امام حسن ابن علی	العسکری	علیہ السلام
۱۲۔	حضرت امام حجت ابن حسن	المہدی	علیہ السلام

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

پہلی قسط:

تاریکیوں سے ''نور'' کی طرف سفر

(''نور''، قرآن کریم کے نقطہ نظر سے)

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی

روحانیت ومعنویت کا انسان کی زندگی میں نہایت ہی اہم کردار پایا جاتا ہے کہ جس کے بغیر انسان کی زندگی ناکمل اور غیر مطمئن ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی زندگی میں معنویت اور روحانیت کی تلاش میں رہتا ہے، چاہے اسے اس حقیقت کا اندازہ ہی نہ ہو۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ روحانیت اور معنویت کے ذریعہ کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے؟

اس کے جواب کو سمجھنے کیلئے قرآن کریم کہ جو خالق کائنات کا کلام ہے، ہماری بڑی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بات ہمیں قرآن کریم سے سمجھ میں آتی ہے۔ روحانیت ومعنویت اور تقویٰ کا اصل مقصد، انسان کے دل ودماغ کو ہر قسم کے نقص اور آلودگی وناپاکی سے پاک کرنا ہے۔

روحانیت اور معنویت کے متعلق قرآن کریم ایک خاص اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید میں کئی آیات موجود ہیں کہ جن میں اللہ سبحانہ وتعالی نے ''تاریکی سے نور کی طرف سفر'' کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تاریکی سے نور کی طرف سفر یقیناً روح کی طہارت کی حقیقت کے مترادف ہے۔ جب انسان تاریکی میں ہوتا ہے تو وہ آلودگی وناپاکی میں گھر جاتا ہے اور جس قدر وہ نور کی طرف بڑھتا ہے، اسی قدر وہ طاہر اور پاک ہوجاتا ہے۔

''نور'' کے تصور کو پیش کرنے سے پہلے، بہتر یہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ان آیات پر ایک نظر ڈالی جائے

کہ جن میں ''نور'' کا تذکرہ موجود ہے۔

سورۂ بقرہ کی بہت مشہور و معروف آیت مجیدہ میں کہ جسے ''آیت الکرسی'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے۔[1]

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک کا ولی ہے، لیکن جب مومنین اللہ کو اپنا ولی مانتے ہیں اور اپنے امور میں اس کی ذات کے سامنے تسلیم خم ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو خاص طریقہ سے ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے، جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ ہی مکمل طور پر دل کے ساتھ اس کی ذات کو مانتے ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور حمایت ان کے شامل حال نہیں ہوتی۔

قارون ان لوگوں کیلئے اچھی مثال ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق یوں ارشاد ہے:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ﴾

ہم نے اسے (قارون) کو اتنے خزانے دیدیئے تھے کہ ایک طاقتور جماعت سے بھی ان کی کنجیاں نہیں اٹھ سکتی تھیں۔[2]

قرآن مجید کے مطابق، لوگ اسے یوں کہا کرتے تھے:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو۔[3]

لیکن قارون کا جواب یہ ہوتا تھا:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

[2] سورۂ قصص، آیت ۷۶۔

[3] سورۂ قصص، آیت ۷۷۔

قارون نے کہا کہ مجھے یہ سب کچھ میرے علم کی بنا پر دیا گیا ہے۔[1]

یہ وہی نکتہ تھا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دی اور اسے دوسروں کیلئے مثال بنا دیا۔

قارون کی طرح کے لوگ بلکہ بہت سے ایمان رکھنے والوں کا بھی یہ اندازہ تھا اور وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے بغیر اپنی زندگیوں کو چلا سکتے ہیں، بلکہ کبھی کبھار تو وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے امور کو خداوند سے بھی بہتر چلا سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خداوند کی نہیں سنتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو شیطانی قوتوں کو اپنا سرپرست مان لیتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں: اگر چہ پروردگار ہر شخص کا ولی ہے، لیکن جو مومنین خود کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں تو وہ خداوند کی ولایت اور سرپرستی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیت الکرسی میں ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾

اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے، جو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔[2]

اس آیت مجیدہ میں ''ظلمات'' (تاریکیاں) کی اصطلاح جمع کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تاریکی کی کئی اقسام ہیں۔ دوسری جانب ''نور'' (روشنی) جمع نہیں ہے۔ اس کو ''انوار'' ہونا چاہیے تھا۔ اس کے مفرد آنے کی وجہ یہ ہے کہ ''نور'' اور روشنی ایک ہوتی ہے کہ جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ نور صحیح معنوں میں ایک اور واقعی روشنی ایک ہوتی ہے۔

بہرحال ظلمت اور تاریکی کی کئی اقسام ہیں۔ سورج کے نور سے استفادہ کرنے کیلئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ سورج کے نور کے راستے میں جتنی بھی رکاوٹیں موجود ہوں ان کو دور کیا جائے، لیکن کسی جگہ کو تاریک کرنے کے کئی راستے ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی اپنی آنکھوں پر رومال رکھ دے یا کوئی اور ایسا کام کرے کہ جس کی وجہ سے وہ نور اور سورج کی کرنوں کو نہ دیکھ سکے، لیکن اس کے باوجود بھی نور اور روشنائی

---

[1] سورۂ قصص، آیت ۷۸۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ''صراط مستقیم'' (سیدھا راستہ) بھی ایک ہی ہے۔

صراط مستقیم، نور کا راستہ

سیدھے راستے سے ملتے جلتے کئی لاکھوں راستے پائے جاتے ہیں کہ جو غلط سمت میں لے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایک شہر سے دوسرے شہر جانا چاہتا ہے تو سمت ایک ہی ہوگی، اگر چہ اس راستے مختلف ہو سکتے ہیں اور شاید ایک راستہ مختصر ہو تو دوسرا لمبا، لیکن اگر وہ دوسرے شہر نہیں جانا چاہتا تو یہاں پر اور بھی لاکھوں مقامات اور شہر ہیں کہ جہاں وہ جا سکتا ہے۔ یہ شخص ممکن ہے کہ اس دوسرے شہر کے مدمقابل شہر میں بھی جا سکتا ہے۔ اسی طرح نور اور روشنائی ایک ہے، لیکن تاریکیاں اور ظلمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ جتنا آپ تصور کریں۔

آگے چل کر ہم آیت الکرسی کی اس آیت میں یوں پڑھتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ﴾

اور جو کفر اختیار کرتے ہیں ان کے ولی طاغوت ہیں۔[1]

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں بڑے دلچسپ انداز میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ خداوند کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی مانتے ہیں، آخرت میں ان کا کوئی ولی و سرپرست نہ ہوگا:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَأَنَّ الْكٰفِرِينَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪﴾

یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ صاحبان ایمان کا مولا اور سرپرست ہے اور کافروں کا کوئی والی و وارث نہیں ہے۔[2]

اس آیت مجیدہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند صاحبان ایمان کا ولی ہے اور جو ایمان نہیں رکھتے، ان کا کوئی ولی و سرپرست نہیں ہے۔ البتہ اس سے پہلے والی آیت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ جو ایمان نہیں رکھتے، ظالم اور جابر لوگ ان کے ولی اور سرپرست ہوتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

[2] سورۂ محمد، آیت ۱۱۔

ایک لطیف نکتہ سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو صاحبان ایمان نہیں ہیں وہ طاغوت اور ظالم وسرکش لوگوں کو اپنا ولی اور سرپرست مانتے ہیں۔ مگر یہ طاغوت اور ظالم ولی نہ ہی ان کی کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ بنیادی طور پر یہ حقیقت ہے کہ شیطانی لوگ اپنی اتباع کرنے والوں کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جو قیامت کے روز رونما ہوگی کہ تمام وہ بُرے رہنما کہ جن کی ایمان نہ رکھنے والوں نے اتباع کی ہوگی، وہ خود کو ان سے مبرا کریں گے۔ ظاہری بات ہے اس صورت میں روز قیامت ایمان نہ رکھنے والوں کا کوئی ولی اور سرپرست نہ ہوگا جو ان کو پناہ دے سکے۔

قرآن مجید مذکورہ تلخ حقیقت کو واضح کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

﴿يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

وہ (طاغوت) انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔[1]

یہ تو خلاصہ تھا انسانیت کی تمام تاریخ، زندگی اور مقدر کا۔ یعنی ہر دور میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ ان کو نور اور روشنائی کی طرف لے جاتا ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو خداوند پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور ان کے رہنما اور لیڈر ان کو نور و ہدایت سے گمراہی اور ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تزکیۂ نفس کے مسئلہ نے ''ظلمت'' اور ''نور'' کو اب نیا معنی دے دیا ہے۔

صاحبان ایمان اور ایمان نہ رکھنے والوں میں انحراف کا تناسب

آیت الکرسی کے منجملہ اہم نکات میں سے ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایمان رکھنے والوں کا سفر ''ظلمت'' سے ''نور'' کی طرف ہوتا ہے اور ایمان نہ رکھنے والوں کا سفر ''نور'' سے ''ظلمت''

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

کی طرف ہوتا ہے۔لیکن کیااس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان رکھنے والے اور ایمان نہ رکھنے والے اپنے سفر کا آغاز مختلف مقامات سے کرتے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایمان نہ رکھنے والے اپنے سفر کا آغاز ایک بہتر انداز میں کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''نور'' اور ''ظلمت'' کے تصور میں ایک نسبت اضافی پائی جاتی ہے۔[1]

اگر ہم ایک روشن جگہ کا ایک اور روشن جگہ سے موازنہ کریں کہ جو اس سے بھی زیادہ روشن ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں یہ دوسری جگہ، پہلی جگہ سے زیادہ روشن ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے والی جگہ تاریک ہے۔ جب ہم کمرے میں ہوتے ہیں کہ جو ایک بلب کے ذریعہ روشن ہوتا ہے اور پڑھنے کیلئے اس کی روشنی کافی ہوتی ہے تو ہم اسے ایک روشن جگہ تصور کرتے یں،لیکن اگر اسی کمرے کا باہر کے ماحول سے موازنہ کریں کہ جہاں پر سورج کی روشنی موجود ہے تو ہمیں وہ کمرہ تاریک لگے گا۔ پس اگر ہم کمرے سے نکل کر باہر آجائیں تو اس طرح ہم ظلمت سے روشنائی کی طرف آئے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسے مقام پر جاتے ہیں کہ جہاں روشنی کم ہوتی ہے تو وہ ہمیں بہت تاریک لگتا ہے اور ہم وہاں پر تھوڑی دیر کیلئے صحیح طور پر دیکھ بھی نہیں پاتے،لیکن جب ہماری آنکھیں عادی بن جاتی ہیں تو پھر ہر چیز نظر آنے لگتی ہے۔

ولادت کے وقت ہر انسان کو کچھ روشنی اور نور دیا جاتا ہے۔ یہ بالکل ابتدائی اور بنیادی نور ہوتا ہے جو ہر کسی کو پروردگار عطا کرتا ہے۔ یہ خلقت پروردگار اور فطرت کی روشنی ہوتی ہے۔ یہ شعور اور آگاہی کا نور ہوتا ہے جو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔اس نور کے بغیر کوئی بھی آگے کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا۔ جو ایمان رکھتے ہیں وہ اس نور کو قوی کرتے ہیں اور روشن تر مقام کی طرف جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ظلمت اور تاریکی سے بچاتے ہیں اور اپنے آپ کو نور مطلق کی طرف لے جاتے ہیں کہ جو خداوند متعال کی ذات ہے۔اس کے برعکس جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ بالکل الٹی سمت اختیار

---

[1] جب دونوں چیزوں کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہم اضافی صفت کو استعمال کرتے ہیں۔ بطور مثال جب کبھی ہم کہتے کہ یہ شخص اس دوسرے شخص سے بہتر ہے، حالانکہ دونوں واقعی طور پر اچھے نہیں ہیں، لیکن ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ پہلا شخص اس دوسرے سے کم برا ہے۔

کرتے ہیں وہ اپنے بنیادی اور ابتدائی نور کو بھی کھو بیٹھتے ہیں کہ جو ان کو دیا گیا ہے اور ان کا اختتام تاریکی مطلق میں ہوتا ہے۔

اس سلسلہ کی دیگر آیات

لوگوں کو تاریکی سے نور کی طرف لے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں کئی مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ایک آیت میں یوں ارشاد ہے:

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝١٦﴾

جس کے ذریعہ خدا اپنی خوشنودی کی اتباع کرنے والوں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر اپنے حکم سے نور کی طرف لے آتا ہے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔[1]

اس آیت مجیدہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی کہ خداوند کی رہنمائی حاصل کرنے کیلئے اس کی خوشنودی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ خداوند ہر ایک کو رہنمائی عطا کرتا ہے۔ کچھ لوگ توجہ دیتے ہیں اور اس کی رہنمائی کی قدردانی کرتے ہیں اور اس کی ذات کو راضی اور خوشنود کرتے ہیں، لیکن کچھ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ شاید کوئی یہ بات جاننا چاہے کہ ممکنہ طور پر کیسے خداوند کی ذات کو راضی کیا جاسکتا ہے۔ البتہ خداوند کی ذات کو راضی کرنا ایسا نہیں کہ جیسے کسی ظالم حکمراں کو خوش کرنا ہو کہ جو آپ سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتا ہو کہ جو آپ کے فائدے میں ہی نہیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی استاد کو اچھی طرح محنت کرکے پڑھنے سے خوش کیا جائے۔ جب کوئی خداوند کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اصل میں وہ خود اپنے فائدے کیلئے کام کر رہا ہوتا ہے، اس موقع پر وہ خداوند کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ آیہ مجیدہ میں لفظ ''سُبُل'' (راستے) جمع ہے جس کا واحد ''سبیل'' (راستہ) ہے۔ جیسا کہ پہلے

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۱۶۔

بیان ہو چکا ہے کہ سبیل، صراط سے مختلف ہے۔ ہم نے عرض کی ہے کہ صراط صرف ایک ہے کہ جو سمت ہے، لیکن راستے اور سبیل کئی ہیں کہ جو اسی ایک سمت میں جاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو خوشنود کرتے ہیں اور اس کی رہنمائی کے مطابق عمل کرتے ہیں، اس کی ذات ان کو ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے آتی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق نور کی طرف ہدایت اللہ تعالیٰ کی خاص اجازت سے ہوتی ہے اور یہ اہم بات ہے اور اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی بھی خداوند کی اجازت کے بغیر لوگوں کو ہدایت نہیں کر سکتا ہے۔ قرآن کریم کے نقطہ نگاہ سے رہنما (ہادی) وہ ہوتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی رہنمائی کیلئے انتخاب کرتا ہے، لہٰذا ہر کوئی کہ جو کچھ پڑھا رہا ہے، قرآنی نقطہ نگاہ سے اسے رہنما (ہادی) نہیں کہا جا سکتا۔ قرآنی لحاظ سے رہنما (ہادی) وہ نہیں ہو سکتا کہ جسے خود ہدایت کہ ضرورت ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ
اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا
لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾

کہہ دیجئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو حق کی ہدایت کر سکے۔ اور پھر بتائیے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے۔ کیا واقعی وہ قابل اتباع ہے یا جو ہدایت کرنے کے قابل بھی نہیں ہے مگر یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا اور تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔[1]

اس آیہ مجیدہ کے مطابق جن لوگوں کو خود ابھی ہدایت کی ضرورت ہے وہ دوسروں کے رہنما (ہادی) کی حیثیت نہیں اختیار کر سکتے۔ قرآن کریم کی نظر میں ایک رہنما (ہادی) یا تو خود خداوند کی ذات ہے یا پھر انبیائے عظام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں جن کو بلاواسطہ خود خداوند کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے۔ ان کو لوگوں سے پڑھنے یا تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہدایت اور رہنمائی سے مراد یہ ہے کہ

[1] سورۂ یونس، آیت ۳۵۔

لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جایا جائے۔ ہدایت دو قسم کی ہوتی ہے:

ا۔ راستہ دکھانا

۲۔ منزل مقصود تک پہنچانا

ہدایت کی دوسری قسم صرف خداوند متعال، انبیائے عظام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ذریعے ممکن و میسر ہوسکتی ہے۔ یعنی یہی وہ ہستیاں ہیں جو ہمارا ساتھ دے کر ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان لوگوں کا تذکرہ ہوتا ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے تو قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾

ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں۔[1]

اب سوال اٹھتا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں کہ جن پر پروردگار نے خاص نعمت و عنایت عطا فرمائی ہے؟ تو قرآن مجید اس کا یوں جواب دیتا ہے:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾﴾

اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر خدا نے نعمتیں نازل کی ہیں اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کتنے بہترین رفقاء ہیں۔[2]

یہ بہترین انسانوں کے چار گروہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان میں سے قرار دے اور ان کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بہترین انسان قرار دیا ہے اور یہ سب ہمیں اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ نور کی طرف سفر میں ان کا ساتھ دیا جائے۔ ہمیں بس ایک کام کرنا ہے اور وہ یہ کہ ان کی اس دعوت کو قبول کرنا ہے۔ ان کو ہم سے کسی قسم کے صلہ کی کوئی

---

[1] سورۂ فاتحہ، آیت ۷۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۶۹۔

توقع نہیں ہے، بلکہ وہ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ اس سفر میں اپنے دل وجان کے ساتھ ان کا ساتھ دیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو جنت کی تلاش ہے، لیکن وہ اپنے بدن کے ساتھ اس میں جانا چاہتے ہیں۔ بہرحال یہ ایسا سفر ہے کہ جسے دل ودماغ کے ساتھ انجام پانا چاہیے۔

سورۂ ابراہیم میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

الف، لام، را، یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ آپؐ لوگوں کو حکم خداوند سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں اور خدائے عزیز وحمید کے راستے پر لگادیں۔[1]

یہ آیہ مجیدہ اس حقیقت کا پتہ دے رہی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے پیچھے جو فلسفہ موجود ہے وہ ''لوگوں کو ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جانا ہے''۔ ہمیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ رسول کریم ﷺ کی منجملہ ایک ذمہ داری قرآن کریم کی آیات کو لوگوں کو سنانا تھا تا کہ ان کا تزکیہ کیا جاسکے اور ان کو کتاب خدا اور حکمت کی تعلیم دی جاسکے۔

ان دونوں آیات کو سامنے رکھ کر ان پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت کا اصلی مقصد، لوگوں کی تعلیم اور تزکیہ کر کے ان کو ظلمت سے نور کی طرف لے جانا ہے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ یہ سب کچھ خداوند کی اجازت کے ساتھ ممکن ہے۔ خداوند ہمارا ربّ ہے اور اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم دیا ہے کہ وہ ہمیں ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں۔ جیسے کوئی والد اپنے کسی دوست سے یہ کہتا ہے کہ پارک جاتے وقت اس کے بچوں کا خیال کرے۔

اس آیت میں ہدف اور مقصد کو بیان کردیا گیا ہے اور وہ ظلمت اور تاریکی سے نور کی طرف سفر اور پھر خداوند کے راستے کی طرف سفر ہے۔ اس خداوند کی طرف جو قادر مطلق ہے اور سب تعریفیں اس کیلئے

---

[1] سورۂ ابراہیم، آیت ا۔

ہیں۔نور کی طرف سفر سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ سیدھے راستے کی پیروی کی جائے۔ یہ بات فقط رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نہیں بلکہ سب انبیائے عظام علیہم السلام کے بارے میں ہے۔ سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال کر لائیں اور انہیں خدائی دنوں کی یاد دلائیں کہ بیشک اس میں تمام صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے افراد کیلئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔[1]

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری داستان، آپؑ کی فرعون کے ساتھ گفتگو اور لوگوں کو مصر سے باہر لے جانے وغیرہ کو ایک نکتے میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔

سورۂ حدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٩﴾﴾

وہی وہ ہے جو اپنے بندے پر کھلی ہوئی نشانیاں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال کر لے آئے اور اللہ تمہارے حال پر یقیناً مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔[2]

سورۂ تغابن میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ ابراہیم، آیت ۵۔

[2] سورۂ حدید، آیت ۹۔

﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾﴾

پس خدا اور رسولؐ اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔[۱]

پھر سورۂ طلاق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ﴾

وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ کی واضح آیات کی تلاوت کرتا ہے تا کہ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔[۲]

قرآن کریم کی ان آیات اور دیگر آیات سے کہ جو بعد میں آئیں گی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن مجید میں یہ ایک بہت ہی گہرا موضوع ہے، یہ محض ایک استعارہ اور کنایہ نہیں ہے۔ جو شخص قرب خدا حاصل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے یہ بہترین راستہ ہے کہ وہ اسے اختیار کرتے ہوئے خود یا دوسروں کو قرب خداوندی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص فطری طور پر نور کو دوست رکھتا ہے۔ جو شخص بھی ذہنی طور پر اچھی حالت میں ہوگا اسے تاریکی میں رہنا اچھا نہیں لگتا۔ اگر کسی شخص کو زبردستی مطلق تاریکی میں کچھ دیر کیلئے رکھا جائے تو اسے اکیلا رہنے کا کئی مہینوں یا کئی سالوں تک بہت بڑا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ ہر کسی کو نور کی تمنا رہتی ہے اور وہ ظلمت کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی لئے اس اصطلاح کا استعمال کافی کارآمد ہے۔ خداوند متعال نے قرآن مجید میں الٰہیات کا جو کامل ترین نظام متعارف کرایا ہے اس کی بنیاد نور کے تصور پر استوار ہے۔

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

---

[۱] سورۂ تغابن، آیت ۸۔

[۲] سورۂ طلاق، آیت ۱۱۔

واقعۂ عاشورا اور تہذیب انتظار

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

واقعہ عاشورا اور تہذیب انتظار کا آپس میں گہرا ربط وارتباط ہے۔ اس لئے کہ حضرت امام عصر علیہ السلام کے ظہور کی مقدمہ سازی تہذیب عاشورا سے مرتب ہوتی ہے۔ اس کے حقائق و معارف مہدی موعودؑ کے ظہور پرنور میں ظاہر ہوں گے۔ حدیث قدسی وزیارت عاشورا اور زیارت امام زمانہ علیہ السلام میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ عاشورا انتظار کی دوسری تعبیر کا نام ہے۔

یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی تیاری کیلئے آپ کو کربلا سے گزرنا ہوگا اور جو کربلا کی حقیقت سے ناواقف ہے اسے فلسفہ انتظار کی آشنائی نہیں ہوسکتی۔ کربلا انتظار کیلئے چراغ راہ اور منزل تک پہنچنے کیلئے روشنی کا مینار ہے۔ تحریک عاشورا وہ بصیرت عطا کرتی ہے جس کے ذریعے انسان صحیح معنوں میں منتظر امام مہدی علیہ السلام قرار پاتا ہے۔ کربلا اس میں جذبہ قیام اور شوق شہادت کی تڑپ پیدا کرتی ہے اور وہ اپنا رشتہ سیّد الشہداء علیہ السلام کی ساتھ جوڑتا ہے۔ جیسا کہ زیارت امام حسین علیہ السلام میں وارد ہوا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ثَارَ اللّٰہِ وَ ابْنَ ثَارِہٖ

آپؑ پر سلام ہو، اے شہید راہ خدا اور شہید راہِ خدا کے فرزند۔[1]

سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مقدس خون نے اسلام کی آبیاری کی اور بشریت کو حیات بخشی۔ یہ راہ توحید میں گرنے والا وہ خون ہے جس نے مومنین کے دلوں کو گرمایا اور ان میں قیام کا جذبہ پیدا کیا جس کی تپش میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔

---

[1] کامل الزیارات، ص ۱۷۶۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ حَرَارَةً فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَبْرُدُ اَبَدًا۔

بیشک حسین علیہ السلام کی شہادت نے مومنین کے دلوں میں ایسی حرارت پیدا کردی ہے
جو کبھی بھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔[1]

سیّد الشہداء علیہ السلام کے خون کی تلاطم خیز موجیں ہر زمانے اور ہر قوم کو سیراب اور قلب تاریخ کو زندہ و تابندہ کرتی رہیں گی اور انسانوں میں علم و معرفت کی آماجگاہ بنیں رہیں گی۔ یہ تمام اقوام اور ملل ونحل کیلئے جہالت وگمراہی اور بدبختی سے نجات کا سامان پیدا کرتی رہیں گی۔ اس لئے کہ سیّد الشہداء نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تا کہ دین کا احیاء ہو اور بندگان خدا کو جہالت وگمراہی سے نجات دلائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کی زیارت میں ارشاد ہے:

وَ بَذَلَ مُهْجَتَهٗ فِيْكَ لِيَسْتَنْقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهَالَةِ وَ حَيْرَةِ الضَّلَالَةِ۔

(پروردگارا! میں گواہی دیتا ہوں کہ) امام حسین علیہ السلام نے تیرے بندوں کو جہالت اور
گمراہی کی حیرانی و پریشانی سے نجات کیلئے تیری راہ میں اپنی جان نچھاور کردی۔[2]

سیّد الشہداء علیہ السلام آزاداری ونجات اور حریّت کا مظہر ہیں اور تحریک حسینی جاری و ساری ہے۔ دشمن جتنی سازشیں کرتا ہے مگر اس نور میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔ بنوامیہ اور بنوعباس نے کتنی کوشش کی، قبر امام مظلومؑ پر ہل چلائے گئے، قبر مطہر پر پانی چھوڑا گیا، آپؑ کے زائرین کو شہید کیا گیا، آپؑ کے زوّاروں کیلئے زیارت کی پابندی لگائی گئی، ان کے ہاتھ پاؤں کو کاٹا گیا۔۔۔ مومنین در بدر ہو گئے مگر اپنے مولا حضرت امام حسین علیہ السلام کے دَر کو نہیں چھوڑا اور ان کے عشق ومحبت میں ذرا فرق نہیں آیا، بلکہ تحریک حسینی جذبہ وشوق اور شعور کے ساتھ جاری و ساری ہے اور انقلاب اسلامی کی بھی مشعل راہ یہی الٰہی اور حسینی تحریک ہے جو زمانے کے حسینیوں کو آواز دے رہی ہے:

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۸۔

[2] مفاتیح الجنان، زیارت امام حسین علیہ السلام۔

اَیْنَ الطَّالِبُ بِدَمِ الْمَقْتُوْلِ بِکَرْبَلَاءَ۔

کہاں وہ ہستی جو مظلوم کربلا کے خون کا انتقام لے گی؟۔[1]

امام علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دنیا والوں کو بتادیں کہ سیّد الشہداء تنہا نہیں ان کے جانثار حسینی موجود ہیں۔ وہ آج بھی کربلا کے اس جانگداز واقعے کو یاد کر کے یہ کہتے ہیں:

یَآ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ لَقَدْ عَظُمَتِ الرَّزِیَّةُ وَ جَلَّتْ وَ عَظُمَتِ الْمُصِیْبَةُ بِكَ عَلَیْنَا

وَ عَلٰی جَمِیْعِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَ جَلَّتْ وَ عَظُمَتْ مُصِیْبَتُكَ فِی السَّمٰوٰتِ عَلٰی

جَمِیْعِ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ۔

اے ابا عبداللہ! آپؑ کے مصائب کا غم بہت بھاری اور بہت بڑا ہے اور آپؑ کی

مصیبت ہمارے لئے اور تمام اہل اسلام کیلئے بہت بڑی ہے اور آپؑ کی مصیبت

تمام آسمانوں کے مکینوں کیلئے بہت بڑی اور دردناک ہے۔[2]

یہ سلام اس تڑپ اور تپش کا ترجمان ہے جو دلوں میں موجزن ہے۔ سلام، عشق و معرفت اور محبت کی دلیل ہے جو اس بات کی وضاحت ہے کہ سیّد الشہداءؑ ہر قسم کی خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں اور ہم حجت خدا کے ساتھ عشق و محبت کرتے ہیں اور ان کے آستانہ مقدس پر سرنیاز خم کرتے ہیں۔

ہم سلام کرتے ہیں تاکہ اپنے اسلام کو معرفت و شناخت، عشق و محبت اور اطاعت و بندگی سے معمور ثابت کریں۔ اس لئے کہ ایسا اسلام، سرمدی اور ابدی ہے۔ جیسا کہ زیارت کے الفاظ اس کی گواہی دے رہے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَ عَلَی الْاَرْوَاحِ الَّتِیْ حَلَّتْ بِفِنَآئِكَ عَلَیْكُمْ مِنِّیْ جَمِیْعًا

سَلَامُ اللّٰهِ اَبَدًا مَا بَقِیْتُ وَ بَقِیَ اللَّیْلُ وَ النَّهَارُ۔

سلام ہو آپؑ پر اور ان روحوں پر جو آپؑ کے آستان میں مدفون ہیں، آپ سب پر میری

---

[1] مفاتیح الجنان، دُعائے ندبہ۔

[2] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا۔

طرف سے خدا کا سلام، ہمیشہ، جب تک میں باقی ہوں اور رات دن باقی ہیں۔[1]

یہ سلام دراصل تولّی کی منزل ہے جس کے ذریعے ہم اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ظلم وجور کی بنیادوں کو استوار کرنے والوں نے آپؑ سے دشمنی کی۔ وہ اس تاک میں رہے کہ آپؑ کے حق کو غصب کیا جائے اور انہیں ان کے مقام ومنزلت سے گرادیا جائے۔ ان کے دل ودماغ میں انتقام، حسد وکینہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔

تاریخ اسلام کے اوراق پر نگاہ ڈالیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام کو منظر سے ہٹانے کیلئے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ ان کی دشمنی میں جعلی حدیث سازی کے کارخانے لگائے گئے جس میں دشمنان اہلبیتؑ کی شان اور اہلبیت اطہارؑ کی شان میں گستاخی پر مبنی حدیثیں گھڑی گئیں۔ یہ سب بالخصوص حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور بالعموم باقی آل رسولؐ کی شخصیت کشی کیلئے کیا گیا۔ ان سب اوچھے ہتھکنڈوں کا اصل مقصد ان ذوات مقدسہ کی عظمت وجلالت کو گھٹانا اور ایسے حالات پیدا کرنا تھا کہ لوگ ان کے قتل سے کوئی خوف نہ کھائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوفہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو محراب عبادت میں ضربت لگائی گئی اور اس کی اطلاع شام پہنچی تو وہاں کے لوگ بڑی حیرانگی سے پوچھتے تھے کہ:

"علیؑ محراب عبادت میں کیا کررہے تھے؟ کیا وہ نماز پڑھتے تھے؟"۔

یہ شدید پراپیگنڈہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور تک جاری رہا۔

اس زہریلے پراپیگنڈے سے دشمن کا اصل مقصد خاندان تطہیر کی منزل اور مقام کو گرانا اور ان کی جگہ جعلی نمونے پیش کرنا تھا تاکہ عام لوگ حیرت وتشویش میں مبتلا ہوکر اہل بیت اطہار علیہم السلام سے دور ہو جائیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کو ابھی پچاس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کے بیٹے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کربلا کے لق ودق صحرا میں تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کردیا گیا۔ یہ مسلمانوں کیلئے بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے!!!

---

[1] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا۔

سیّدالشہداء علیہ السلام کا خون دلوں میں قیام اور ظلم و جور کے خلاف ڈٹ جانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ یزیدیت کے خلاف للکار، حریت اور آزادی کا مظہر اور اہل عاشورا کیلئے ابدی پیغام ہے۔ تہذیب عاشورا کے پروردہ لوگوں کے دل وجان سے یہ آواز آتی ہے:

یَآ اَبَا عَبْدِ اللهِ! اِنِّیْ سِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

اے اباعبداللہ! تا روزِ قیامت میری صلح ہے اس سے جس سے آپؑ کی صلح ہے اور میری جنگ ہے اس سے جس سے آپؑ کی جنگ ہے۔

یعنی زائر یہ کہہ رہا کہ میری صلح وسلامتی اور آشتی اور جنگ کا معیار آپؑ ہیں۔ عاشق حسینؑ اپنی ذات کی نفی کر کے اپنا رشتہ سیّدالشہداء علیہ السلام کی ساتھ جوڑ کر یہ عہد کرتا ہے کہ جو شخص آپؑ کی ساتھ سلامتی وآشتی چاہتا ہے میری اس کی ساتھ صلح وآشتی ہے اور جو شخص آپؑ کی ساتھ جنگ اور محاربہ کرتا ہے میری اس کے ساتھ جنگ ہے اور یہ سلسلہ کسی خاص دور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تا قیامت جاری وساری ہے۔ میری بھی یہی سیرت وزندگی ہے اور کل آنے والی نسلوں کو بھی یہی تعلیم وتلقین کروں گا۔ اس لئے کہ یہ وہ مقدس فریضہ ہے جس کے سائے میں حقیقی زندگی کی نوید ہے، چنانچہ ہم بارگاہ الٰہی میں التجا کرتے ہیں:

وَ اَنْ یَّرْزُقَنِیْ طَلَبَ ثَارِکُمْ مَعَ اِمَامٍ هُدًی۔

اور (خدایا!) مجھے اہل بیتؑ میں سے کسی امامؑ کے ساتھ امام مظلوم علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینا نصیب فرما، جو ہدایت کا مینار ہو۔[1]

یہ مصیبت وعزا اور بیقراری جاری رہے گی۔ جب تک امام زمانہ علیہ السلام اس کا بدلہ نہ لے لیں، خون کا بدلہ باقی ہے اور وہ امام علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہوگا۔

دراصل عاشورا اور انتظار کو جوڑ دیا گیا ہے۔ آج دشمن کی بھی پالیسی یہی ہے کہ لوگوں کو عاشورا سے دور کیا جائے اور نظریۂ انتظار سے محروم بنا دیا جائے۔ اس وقت مکتب تشیع کی طاقت اور بقاء کا راز نظریۂ انتظار اور عاشورا ہے۔ پس تہذیب عاشورا کو نظریۂ انتظار کے ساتھ جوڑ کر گریہ وزاری کریں۔

[1] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا۔

اسی وجہ سے کہ ارشاد ہے کہ:

اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ مِنْ اَعْظَمِ الْفَرَجِ۔

امام زمانہ علیہ السلام کی حکومت کی انتظار میں زندگی گزارنا بذات خود ایک بہت بڑی گشائش ہے۔[۱]

عاشورا، قدم قدم پر عقیدۂ انتظار کی یاد دلاتا ہے۔ اس پُرفتن دور میں سخت آزمائش کا مرحلہ ہے، سخت امتحان ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ! لَا يَكُوْنُ فَرَجُنَا حَتّٰى تُغَرْبَلُوْا. ثُمَّ تُغَرْبَلُوْا. ثُمَّ تُغَرْبَلُوْ۔

خبردار! یاد رکھو! ہماری غیبت کا زمانہ ختم نہیں ہوگا جب تک کہ تم آزمائش سے نہ گزر جاؤ، پھر آزمائش سے نہ گزر جاؤ، پھر آزمائش سے نہ گزر جاؤ۔[۲]

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب اپنے بعض اصحاب کو امام زمانہ علیہ السلام کی حکومت کے بارے میں گفتگو کرتے دیکھا تو فرمایا:

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَا وَ اللهِ لَا يَكُوْنُ مَا تَمُدُّوْنَ اِلَيْهِ اَعْيُنَكُمْ حَتّٰى تُغَرْبَلُوْا. لَا وَ اللهِ! لَا يَكُوْنُ مَا تَمُدُّوْنَ اِلَيْهِ اَعْيُنَكُمْ حَتّٰى تُمَحَّصُوْا. لَا وَ اللهِ لَا يَكُوْنُ مَا تَمُدُّوْنَ اِلَيْهِ اَعْيُنَكُمْ حَتّٰى تُمَيَّزُوْا. لَا وَ اللهِ مَا يَكُوْنُ مَا تَمُدُّوْنَ اِلَيْهِ اَعْيُنَكُمْ اِلَّا بَعْدَ اِيَاسٍ. لَا وَ اللهِ لَا يَكُوْنُ مَا تَمُدُّوْنَ اِلَيْهِ اَعْيُنَكُمْ حَتّٰى يَشْقٰى مَنْ يَشْقٰى وَ يَسْعَدَ مَنْ يَسْعَدُ۔[۳]

---

[۱] بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۱۲۲۔

[۲] بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۱۱۳۔

[۳] کمال الدین، ج ۲، ص ۳۴۶۔

(یہ تم کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہو؟)، خبردار! یادرکھو! خدا کی قسم تمہاری آنکھیں جس دور کو ڈھونڈ رہی ہیں وہ اس وقت تک واقع نہیں ہوگا جب تک کہ تم سختی سے آزما نہ لئے جاؤ۔ نہیں، خدا کی قسم! تمہاری آنکھیں جس زمانے کو تلاش کر رہی ہیں وہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک کہ تم الٰہی احتساب کے عمل سے نہ گزر جاؤ۔ نہیں، خدا کی قسم! تمہاری آنکھیں جس چیز کی جستجو میں لگی ہوئی ہیں وہ تب وقوع پذیر ہوگی جب تم میں سے کھرے اور کھوٹے کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ نہیں، خدا کی قسم! تمہاری نظریں جس کی طرف خیرہ ہیں وہ تب تک نظر نہیں آئے گا جب تک کہ مایوسی کے سائے نہ منڈلانے لگیں۔ نہیں، خدا کی قسم! تمہاری آنکھیں جس چیز کی تاک میں لگی ہوئی ہیں وہ اس وقت تک حقیقت کا لباس نہیں پہنے گی جب تک کہ نیک بخت کی نیک بختی اور بد بخت کی بد بختی کھل کر سامنے نہ آجائے۔[1]

پس ہمیں چاہیے کہ اپنے اعمال واحوال پر خوب توجہ کریں اور دیکھیں کہ کہیں ہم خواہشات نفسانی، شہوات وشبہات میں گرفتار تو نہیں ہو رہے؟۔ یہ حقیقت ہے کہ کوفیوں کے چنگل سے اپنے آپ کو نکال کر ہی اہل عاشورا بنا جا سکتا ہے۔ اہل کوفہ میں سے بہت سے لوگ امامؑ کے دیدار و ملاقات کے منتظر تھے مگر ان کے وعدے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس لئے کہ انتظار، ہاتھ پر ہاتھ دھرنے کا نام نہیں، بلکہ اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا، امامؑ کے ظہور کیلئے راستہ ہموار کرنا ہوگا۔ منتظر، ذمہ دار اور اپنے اعمال میں ہوشیار ہوا کرتا ہے۔ انتظار کا سستی و کاہلی اور بے مقصد زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ حقیقی منتظر مکتبی اور آئیڈیل زندگی سے سرشار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انتظار بہت بڑی عبادت اور بہترین عمل ہے۔ منتظرین جانتے ہیں کہ عاشورا نے ہم پر حجت تمام کر دی ہے اور ہم پر فریضہ عائد کر دیا ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دینا ہے اور حق پر ثابت قدم رہنا ہے۔

زیارت عاشورا کے جملوں میں ارشاد ہے:

---

[1] کمال الدین، ج ۲، ص ۳۴۶۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَفَاعَةَ الْحُسَيْنِ يَوْمَ الْوُرُوْدِ وَ ثَبِّتْ لِيْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَكَ

مَعَ الْحُسَيْنِ وَ اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ الَّذِيْنَ بَذَلُوْا مُهَجَهُمْ دُوْنَ الْحُسَيْنِ

عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

اے معبود! مجھے روزِ محشر امام حسین علیہ السلام کی شفاعت سے بہرہ مند فرما اور مجھے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرما جنہوں نے اپنی جانیں امام مظلومؑ پر نچھاور کر دیں۔

خداوند عالم ہمارا شمار بھی اہل عاشورا اور حقیقی منتظرین میں قرار فرمائے۔

✲✲✲✲✲

درست خوراک

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

فَانْظُرْ مَا يُوَافِقُكَ وَ يُوَافِقُ مِعْدَتَكَ وَ يَقْوٰى عَلَيْهِ بَدَنُكَ وَ يَسْتَمْرِئُهُ مِنَ الطَّعَامِ فَقَدِّرْهُ لِنَفْسِكَ وَاجْعَلْهُ غَذَاءَكَ۔

دیکھو جو چیزیں تمہارے معدے سے موافق ہوں، تمہیں ان کے کھانے سے توانائی حاصل ہوتی ہو اور تمہیں اچھی لگتی ہوں، ایسی چیزوں کو اپنے بدن کی خوراک قرار دو۔

(طب امام رضا، ص ۲۰)

ذبح عظیم

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

قربانی کی تعریف

لغت میں قربانی کی درج ذیل تعریف کی گئی ہے:

اَلْقُرْبَانُ: (مَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ مِنْ ذَبِيْحَةٍ اَوْ غَيْرِهَا)۔

''قربانی وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے''۔

اور شرعی اصطلاح میں ''قربانی'' اللہ کیلئے جانور ذبح کرنے کا نام ہے۔

قربانی کیلئے قرآن کریم میں جو لفظ استعمال ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ا۔ لفظِ ''قربان'':

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی کے سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ﴾

اور ذرا انہیں آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو کہ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ [1]

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۲۷۔

۲۔لفظِ "منسک":

سورۂ حج میں ارشادرب العزت ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

ہر اُمت کیلئے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کردیا ہے تاکہ اس امت کے لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔[۱]

۳۔لفظِ "نحر":

سورۂ کوثر میں ارشاد ہورہا ہے:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣﴾

اے پیغمبرؐ! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ پس تم اپنے ربّ کیلئے نماز پڑھو اور قربانی دو۔ بے شک تمہارا دشمن ابتر رہے گا۔[۲]

۴۔لفظِ "ذبح":

سورۂ صافات میں فرمایا:

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝١٠٧﴾

اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ قرار دیا۔[۳]

ہماری گفتگو اسی ذبح عظیم کے بارے میں ہے کہ یہ "ذبح عظیم" کون ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝١٠٠ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝١٠١ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ

---

[۱] سورۂ حج، آیت ۳۴۔

[۲] سورۂ کوثر، آیت ۱۔۳۔

[۳] سورۂ صافات، آیت ۱۰۷۔

السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ
يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ
اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
الْاٰخِرِيْنَ ۝ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

پروردگار! مجھے نیک قسم کی اولاد عنایت فرما۔ تو ہم نے انہیں ایک نہایت بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس کے بعد جب وہ ذرا دوڑ دھوپ کے سن تک پہنچا تو انہوں نے کہا: اے بیٹا! میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم غور کرو کہ تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے بابا! کیجئے جو کچھ آپؑ کو حکم ہو رہا ہے، اللہ نے چاہا تو مجھے آپؑ صبر کرنے والوں میں پائیے گا۔ تو جب وہ ہمہ تن اطاعت پر تیار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو پیشانی کے بل لٹایا اور ہم نے انہیں صدا دی کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ان کا فدیہ بھیج دیا ایک عظیم قربانی کے سبب سے اور ہم نے اس کی یاد قائم رکھی بعد والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔ وہ ہمارے نیک وصالح بندوں میں سے تھے۔[1]

کتاب ''عیون اخبار الرضاؑ'' میں فضل بن شاذان سے مروی ہے کہ آیہ مجیدہ ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ کی تفسیر میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا اَمَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِبْرَاهِيْمَ (ع) اَنْ يَّذْبَحَ مَكَانَ ابْنِهٖ اِسْمَاعِيْلَ الْكَبْشَ
الَّذِيْ اَنْزَلَهٗ عَلَيْهِ تَمَنّٰى اِبْرَاهِيْمُ (ع) اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ ذَبَحَ ابْنَهٗ اِسْمَاعِيْلَ

---

[1] سورۂ صافات، آیت ۱۰۰ ۔ ۱۱۱ ۔

بِيَدِهٖ وَ اَنَّهٗ لَمْ يُؤْمَرْ بِذَبْحِ الْكَبْشِ مَكَانَهٗ لِيَرْجِعَ اِلٰى قَلْبِهٖ مَا يَرْجِعُ اِلٰى قَلْبِ الْوَالِدِ الَّذِىْ يَذْبَحُ اَعَزَّ وُلْدِهٖ عَلَيْهِ بِيَدِهٖ فَيَسْتَحِقَّ بِذٰلِكَ اَرْفَعَ دَرَجَاتِ اَهْلِ الثَّوَابِ عَلَى الْمَصَآئِبِ فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلَيْهِ: يَا اِبْرَاهِيْمُ! مَنْ اَحَبُّ خَلْقِىْ اِلَيْكَ؟ فَقَالَ: يَا رَبِّ! مَا خَلَقْتَ خَلْقًا هُوَ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ (ص). فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ: اَفَهُوَ اَحَبُّ اِلَيْكَ اَمْ نَفْسُكَ؟ قَالَ: بَلْ هُوَ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ نَفْسِى. قَالَ: فَوُلْدُهٗ اَحَبُّ اِلَيْكَ اَمْ وُلْدُكَ؟ قَالَ: بَلْ وُلْدُهٗ. قَالَ: فَذَبْحُ وُلْدِهٖ ظُلْمًا عَلٰى اَيْدِىْ اَعْدَآئِهٖ اَوْجَعُ لِقَلْبِكَ اَوْ ذَبْحُ وُلْدِكَ بِيَدِكَ فِىْ طَاعَتِىْ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! بَلْ ذَبْحُ وُلْدِهٖ ظُلْمًا عَلٰى اَيْدِىْ اَعْدَآئِهٖ اَوْجَعُ لِقَلْبِىْ. قَالَ: يَا اِبْرَاهِيْمُ! فَاِنَّ طَآئِفَةً تَزْعُمُ اَنَّهَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ سَتَقْتُلُ الْحُسَيْنَ ابْنَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ظُلْمًا وَ عُدْوَانًا كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ وَ يَسْتَوْجِبُوْنَ بِذٰلِكَ سَخَطِىْ فَجَزِعَ اِبْرَاهِيْمُ (ع) لِذٰلِكَ وَ تَوَجَّعَ قَلْبُهٗ وَ اَقْبَلَ يَبْكِىْ فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلَيْهِ: يَا اِبْرَاهِيْمُ! قَدْ فَدَيْتُ جَزَعَكَ عَلٰى ابْنِكَ اِسْمَاعِيْلَ لَوْ ذَبَحْتَهٗ بِيَدِكَ بِجَزَعِكَ عَلَى الْحُسَيْنِ وَ قَتْلِهٖ وَ اَوْجَبْتُ لَكَ اَرْفَعَ دَرَجَاتِ اَهْلِ الثَّوَابِ عَلَى الْمَصَآئِبِ وَ ذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ ﴿وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾۔

جب خداوند عز وجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے بجائے اس گوسفند کو ذبح کریں جو اللہ تعالیٰ نے بھجوا دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں تاکہ وہ اپنے بیٹے کا غم اور مصیبت برداشت کریں اور اللہ کے اس اجر وثواب کے حقدار ٹھہریں جو اس مصیبت عظمیٰ پر ملنے والا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی اور فرمایا: اے ابراہیمؑ! تم میری مخلوق میں کس سے زیادہ محبت کرتے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض

کی: اے میرے ربّ! تو نے کسی کو پیدا نہیں کیا جو تیرے حبیب حضرت محمد ﷺ سے زیادہ محبوب ہو۔ خداوند عالم نے پوچھا: کیا تجھے محمد ﷺ سے زیادہ محبت ہے یا اپنے آپ سے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: پروردگار! مجھے محمد ﷺ سے زیادہ محبت ہے۔ پھر اللہ نے پوچھا: تجھے اس کے فرزند سے زیادہ محبت ہے یا اپنے فرزند سے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اس کے فرزند سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے محمد ﷺ کے نواسے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا زیادہ دردآور اور غمناک ہے یا تیرے ہاتھوں تیرے بیٹے کا ذبح ہونا زیادہ رنج آور ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کے نواسے کا دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا میرے لئے زیادہ غمناک ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! کچھ لوگ جو خود کو محمد ﷺ کی امت سے گمان کرتے ہوں گے، ان کے دنیا سے جانے کے کچھ مدت بعد ان کے نواسے کے خون میں ہاتھ رنگین کریں گے اور اس کو ظلم وستم کے ساتھ اس طرح ذبح کریں گے جیسے گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ گستاخ میرے سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرزند کی شہادت کی خبر سنی تو بے تاب ہو گئے اور انہیں انتہائی صدمہ پہنچا اور گریہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور فرمایا: اے ابراہیمؑ! یہ جو تو نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرزند پر گریہ کیا اور بے تابی کی، یہ فدیہ ہوا اس چیز کا کہ جو تو کرنے والا تھا یعنی اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو میری راہ میں ذبح کرنے والا تھا اور تجھے وہ تمام ثواب اور درجات ملیں گے جو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر ملتے ہیں۔ پس یہ ہے آیہ مجیدہ کی تفسیر جس میں ارشاد ہے: ''اور ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم کو قرار دیا''۔[1]

پس قرآن مجید اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے اقوال کے مطابق ''ذبح عظیم'' سے مراد امام حسین علیہ السلام کی قربانی ہے اور اسی کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

---

[1] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۱، ص ۲۰۹۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

معنی ذبح عظیم آمد پسر

آیئے مذکورہ آیات کی روشنی میں حضرت امام حسینؑ کی قربانی کا جائزہ لیتے ہیں:

- ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۝﴾

''پروردگار! مجھے نیک قسم کی اولاد عنایت فرما۔ تو ہم نے انہیں ایک نہایت بردبار بیٹے کی بشارت دی''۔

ادھر خانوادۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ لمحات آن پہنچے کہ اسماعیلؑ جیسا بردبار اور حلیم فرزند عطا ہوا۔ پھر ایسا ہی حلیم اور صابر بیٹا (حضرت علی اکبر علیہ السلام) ماہ شعبان کی گیارہ کو اللہ نے حضرت حسین بن علی علیہما السلام کو عطا کیا جو شبیہ رسول تھا۔

- ﴿اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾

''اے بیٹا! میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے فرزند کو ذبح ہوتے دیکھا، جبکہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا جان (رسول کریمؐ) کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا:

يَا حُسَيْنُ! اُخْرُجْ فَاِنَّ اللهَ قَدْ شَآءَ اَنْ يَّرَاكَ قَتِيْلًا۔

اے (بیٹا) حسینؑ! نکلو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تجھے شہید ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔[1]

- ﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾

''(اسماعیلؑ) نے کہا: اے بابا! کیجئے جو کچھ آپؑ کو حکم ہو رہا ہے، اللہ نے چاہا تو مجھے آپؑ صبر کرنے والوں میں پائیے گا''۔

فرمانبردار بیٹے کا جواب سن کر حضرت ابراہیم کو علیہ السلام اپنے بیٹے پر اور بھی پیار آیا ہوگا۔ اسی لئے آنکھوں نے برسنا شروع کیا۔

---

[1] اللہوف، ص ۶۵۔

بقول علامہ اقبال:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　سکھائے اسماعیلؑ کو کس نے آداب فرزندی

ایسی ہی بات اور ایسا ہی جواب فرزند امام حسین علیہ السلام شہزادۂ علی اکبر علیہ السلام نے دیا جب کربلا کے راستے میں امام حسین علیہ السلام گھوڑے کی زین پر غنودگی کی حالت میں یا عالم مکاشفے میں سنتے ہیں کہ یہ کاروان جارہا ہے اور موت ساتھ ساتھ جارہی ہے۔ اس پر امام حسین علیہ السلام نے کلمہ استرجاع ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا جس پر جناب علی اکبر علیہ السلام نے پوچھا: بابا جان! آپؑ نے کلمہ استرجاع کیوں پڑھا؟ فرمایا کہ: میں نے ابھی ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ یہ کاروان جارہا ہے اور ان کی موت ساتھ ساتھ ہے۔ یہ سن کر شہزادۂ علی اکبرؑ نے اپنے بابا سے پوچھا: اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ؟ (بابا!) کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: کیوں نہیں، ہم حق پر ہیں، تو جناب علی اکبرؑ نے کہا: یَا اَبَہْ! اِذَنْ لَا نُبَالِيْ بِالْمَوْتِ: بابا! تو پھر موت کی ہمیں کیا پرواہ۔ یہ الفاظ بدلے ہوئے ہیں حقیقت وہی ہے جو کہ آیہ مجیدہ میں بیان ہوئی کہ "بابا! جو آپؑ کو حکم ملا ہے اسے انجام دیجئے"۔[1]

- ﴿فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾

"پس جب وہ ہمہ تن اطاعت پر تیار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو پیشانی کے بل لٹایا"۔

باپ چھری تیز کرتا ہے اور بیٹا چھری کی دھار کو دیکھ کر باپ طرف دیکھتا ہے۔ دونوں کی آنکھیں ملتی ہیں۔ باپ کی آنکھوں میں آنسو رواں ہوتے ہیں۔ باپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتا ہے اور بچے کے پاؤں میں رسی باندھ دیتا ہے۔

ادھر کربلا میں باپ بیٹا آمادہ ہیں۔ بیٹے نے قربان ہونے کیلئے اجازت مانگی۔ باپ نے اجازت دی اور پروردگار کی بارگاہ میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا

---

[1] اللهوف، ص ٦٩۔٧٠۔

بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلَيْهِ۔

بارالہا! گواہ رہنا، اب اس کو میدان بھیج رہا ہوں جو (اس دنیا میں) شکل وشمائل، اخلاق واطوار اور کلام گفتار میں سب سے زیادہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھا۔ (اے پروردگار!) ہم جب کبھی تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کی زیارت کرلیا کرتے تھے۔[1]

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے قرآن کریم کی ان آیات مجیدہ کی تلاوت کی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کو اور ابراہیم علیہ السلام کی آلؑ اور عمران علیہ السلام کی آلؑ کو تمام جہان کے لوگوں پر (ترجیح دے کر نبوت وامامت کیلئے) چن چن لیا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ (سب کچھ) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔[2]

- ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ ...﴾

''اور ہم نے انہیں صدا دی کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔۔۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب اسماعیل علیہ السلام کو لٹا دیا اور چھری چلا دی تو جناب جبرائیل امینؑ پیغام خداوندی لے کر اترے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بچ گئے۔ اس موقع پر باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے لگ کر گریہ کر رہے تھے اور اس ذبح عظیم کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

ادھر کربلا کے خلیل حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے (کربلا کے اسماعیلؑ) بیٹے جناب علی اکبر علیہ السلام کے سرہانے پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ شہزادۂ علی اکبرؑ ایڑھیاں رگڑ رہے ہیں اور باپ بیٹے کی لاش پر پہنچ کر فرما رہے ہیں:

---

[1] اللہوف، ص ۱۱۳۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۳۲۔۳۳۔

عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَآءُ۔

اے بیٹا! تیرے بعد دنیا پر خاک ہو۔[1]

اور پھر اس ذبح عظیم کے قربان ہونے کا وقت آیا تو اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو کر فرمایا:

رِضًى بِرِضَاكَ وَ تَسْلِيْمًا لِاَمْرِكَ۔

(پروردگار!) میں تیری رضا پر راضی ہوں اور تیرے حکم کے سامنے سرِ تسلیم ہوں۔

اُدھر سے آواز آئی:

﴿يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾﴾

اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا! اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

اور خیمے لُٹ گئے، نذر آتش کر دیئے گئے، چادریں چھین لی گئیں اور پھر آل محمد علیہم السلام اسیر ہو کر شہداء کی لاشوں کے پاس سے گزرے تو بی بی سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے ہاتھوں کو بھائی کی لاش کے نیچے دے کر لاش اقدس کو بلند کیا اور اللہ کے حضور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقُرْبَانَ۔

اے اللہ! ہم محمد و آل محمد علیہم السلام کی اس قربانی کو قبول فرما لے۔

✲✲✲✲✲

---

[1] اللہوف، ص ۱۱۳۔

فلسفہ ونقوشِ زیارت

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی
(ناروے)

رب العالمین نے بشریت کی ہدایت کیلئے کتنے زریں سلسلوں کو رکھا ہے کہ یکے بعد دیگرے نبوت و امامت اور ولایت کی بے مثال شخصیتوں کو ہمارے لئے منتخب کیا۔ ان سے ان کی زندگی میں استفادہ ہوتا رہا اور پھر ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کے افادات کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ ان تمام فوائد و برکات میں سے ایک اُن کی زیارت ہے۔ ان سے توسل یقینی طور سے خدا کی خوشنودی اور رضامندی ہے۔ بعض نام نہاد فرقوں کی منحوس حرکتوں نے اسلام سے نفرت کا ایک ماحول پیدا کر دیا ہے۔ ان کا گھناؤنا کردار بہانگ دہل کہہ رہا ہے کہ اسلام واقعی کچھ اور ہے اور یہ درندے کچھ اور ہیں۔ ضرورت ہر دور میں رہی ہے کہ مکتب اہلبیت علیہم السلام کے عقائد و فضائل چار دانگ عالم عام کئے جائیں۔ اس پر ہمیشہ کام ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ معنویات و روحانیت حاصل کرنے کیلئے اسی موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بار بار اور ہمیشہ اطلاعات و معلومات بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔

لفظِ ''زیارت'' لغوی اعتبار سے لفظِ ''زور'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی سینہ سے اوپر کا حصہ ہے۔[۱]

اگر یہ کہا جائے کہ ''میں نے فلاں کی زیارت کی''، اس کا مطلب یہ ہے کہ: ''میں نے سینہ کے اوپری حصہ سے اُس سے ملاقات کی''۔ اس لئے کہ ''زائر'' ہمیشہ کسی سے اس کے اوپری حصہ سے ہی

---

[۱] مفردات راغب اصفہانی، ص۲۱۷۔

مخاطب ہوتا ہے اور ملتا ہے۔

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے بہت زیادہ احادیث مروی اور موجود ہیں جن میں اولیاء اللہ، دوست و احباب سے ملاقات و زیارت کی اہمیت اور تاکید ملتی ہیں۔ انبیائے کرام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آئمہ معصومین علیہم السلام اور شہداء وصدیقین یہ سب ایک نمونہ، مثال اور آئیڈیل ہیں۔ ان کی مثال ''آئینہ'' کے مانند ہے کہ جب آپ آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں تو اپنے کمال ونقص کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سمجھنے کی خاطر یوں سمجھا جائے کہ ''زیارت'' یعنی آئینہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ یہ اپنے آپ کو تولنے کا ترازو اور میزان ہے۔

جس وقت ہم ایک امامِ معصومؑ کے سامنے شناخت وبصیرت کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، گویا ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ خدا کی مقرب ترین ذات ہے، جس کے فضائل بے پناہ اور اس شخصیت کی عبودیت اعلیٰ منزل پر ہے۔ یہ ہمارے تمام نقائص وعیوب کو جانتے ہیں۔ ان کی طہارت و پاکیزگی، ہماری کثافت وآلودہ زندگی کی شناخت کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان کی معنویت و روحانیت کی کرنیں ہماری مادی اور دنیاوی زندگی کو بھی منور کرتی ہیں۔ ان کی اطاعت ہماری معصیت کو برملا آشکار کرتی ہے۔ ان کی نورانیت ہمارے تاریک دلوں کو منور اور روشن کرتی ہے۔ ان کا خدا سے خوف، ہماری خواہشات نفس کو فاش کرتا ہے۔ ان کے روح کی بلندی، ہماری پستی کو نمایاں کرتی ہے۔

''زیارت'' انہی محاسبات، تقرب ومقارنہ اور تقابل کے زمینہ سازی کی ایک ''کسوٹی'' ہے۔ تاکہ اخلاقی اعتبار سے ہر کمی ونقص کو دور کیا جائے۔ تمام زیارت ناموں اور دُعاوں کی کتابوں میں موجود لفظ ''اَتَقَرَّب''[1] سے اُنس پیدا ہوتا ہے اور جب زائر، خدا سے مانوس ہوتا ہے، تو پھر اللہ سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ آئمہ اطہار ومعصومین علیہم السلام، خدا کی برگزیدہ اور انسان کامل و برتر شخصیتیں ہیں جن کی زیارت سے ہم بلندیوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ اولیائے خدا کی رہنمائیوں سے پاکی وطہارت کی اونچائی پر قدم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ ''زیارت نامہ'' کے جملوں اور الفاظ پر غور کیجئے تو تعبیرات میں ایسے کلمات اور عناوین

[1] یعنی میں اس ہستی کی زیارت سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

ملیں گے جس سے ہدایت و رہنمائی کے دروازے کھلتے ہیں۔ مثلاً: ''آیہ''، ''بینہ''، ''امام''، ''دروازہ''، ''چراغ''، ''نور''، ''حجت''، ''گواہ''، ''شہید''، ''صراط''، ''راہنما''، ''چاند''، ''سورج''، ''پرچم''، ''علامت'' وغیرہ یہ سب الفاظ متون زیارت میں پائے جاتے ہیں۔[1]

صالحین و نیک افراد سے متصل ہونا، ان سے گھل مل جانا یہ خود کمال کی طرف لے جانے کا ایک وسیلہ ہوتا ہے جس سے کرامت و شرف کا سلسلہ اور اپنی تربیت کا سامان ہوتا ہے۔ یہ ملاقات، فساد و گناہ سے دوری اور ہر بدی اور اخلاقی جراثیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہی زیارت، روحانیت و معنویت سے رابطے کا عمدہ ''پیوند'' اور لا ابالی پن اور بدچلنی سے ''پرہیز'' اور کنٹرول ہے۔

اگر آئمہ اطہار و معصومین علیہم السلام مقرب بارگاہِ خدا ہیں تو وہ اس وجہ سے کہ ان کی عبودیت اور بندگی اَوج پر ہے۔ وہ خدا سے قربت یعنی تقویٰ اور اطاعت میں اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ جب ہم آستانہ آئمہؑ پر پہنچ کر بوسہ دیتے ہیں اور تکریم و احترام کرتے ہیں تو یادِ خدا اور ذکرُ اللہ میں ہوتے ہیں کہ وہی خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اماموں اور اولیاء کے مزار و مرقد اور روضہ پر حاضری سے خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کی عظمت و قداست، گناہوں سے دوری کا سامان بنتی ہے۔

یہیں سے توبہ کی سیڑھیاں منازلِ تحول طے کرتی ہیں اور خودی میں تبدیلیوں کا گوناگوں انقلاب آتا ہے۔ مرقدِ معصومؑ کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک روحانی انقلاب رونما ہوتا ہے جو انسان کو غفلت سے کوسوں دور بھگاتا ہے اور بیداری کے دریچوں کو کھول دیتا ہے۔ یقیناً ایک زائر کی یہی خواہش بھی ہوتی ہے کہ ہم ایک نئے انسان بن کر واپس ہوں۔ ایک پاک زیارت گاہ کے اثرات بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، ورنہ دور دراز کا سفر اور پریشانیوں اور صعوبتوں کو جھیلنے کے بعد اگر کچھ ہاتھ حاصل نہ آئے تو پھر دوڑ دھوپ کس بات کی؟ شوق و تڑپ جب منزل عشق میں پہنچ جائے تو صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ بقول سالک لکھنوی مرحوم کے:

جب روضۂ شبیرؑ نظر آ گیا سالکؔ — دل کرنے لگا سایۂ دیوار سے باتیں

---

[1] رہ توشہ حج، ج ۲، ص ۲۰۱۔

عتبات آئمہ اطہار علیہم السلام میں حاضری کے بعد یہ سوچا جانا چاہیے کہ:

میں کون ہوں؟

اب تک میں نے کیا کیا ہے؟

کس کے پاس آیا ہوں اور کس کی زیارت مقصود ہے؟

اس مقام مقدس پر کیا لینے آیا ہوں اور کیا چاہتا ہوں؟

میں کس منہ سے حاجت طلب کروں؟

اس ''در'' پر اپنے کس نیک عمل کو پیش کر کے کہوں کہ یہ کام انجام دیا ہے؟

میرے پچھلے حالات کیا اور کیسے تھے اور اب کیا کر رہا ہوں؟

کیا میرے گناہ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اس در پر اپنی پیشانی رکھ دوں؟

کیا میری آنکھوں کے آنسو اس لائق ہیں کہ اس آستانہ مقدس کی ضریح اور خاک پر ٹپک سکیں؟

جب تک پاک وصاف نہ ہو جاؤں کیسے ان مقدس ہستیوں کے سامنے آنکھیں ملا سکتا ہوں؟

جب کسی چیز کے لائق نہیں ہوں تو دوستی ومحبت اور ولایت کا دعویٰ کیونکر کروں؟

بس تو پھر توبہ کرنی چاہیے، اپنے آپ میں تبدیلی لانی چاہیے، اس بابرکت روضہ مبارکہ میں پہنچ کر اور حاضری دے کر تمام گندگیوں اور برائیوں سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر زیارت واقعی گناہوں سے دور ہونے کا ذریعہ ہوگی۔

استغفار اور توبہ ہی بخشش کی امید دلاتے ہے۔ آیۂ قرآنی سے ثابت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوگ آئے کہ اپنے گناہوں سے پشیمان ہو کر اللہ سے مغفرت طلب کریں تو دعائے پیغمبرؐ سے اللہ نے ان کے گناہ بخش دیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپؐ کے پاس آتے اور خود

بھی اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے

تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔[1]

اس طرح زیارت، تزکیہ نفس کا محرک اور سبب ہے، خود سازی اور اپنی تربیت کا ذریعہ ہے۔ زائر جب آئمہ اطہار علیہم السلام کے پاس ان کی شخصیت اور عظمت کا یقین کر کے (جیسا کہ ان کا حق ہے)، سمجھ کر، پہچان کر، خلوص کے ساتھ حاضری دیتا ہے تو پھر تربیتِ نفوس میں اثر پیدا ہوتا ہے۔ یہ اثر اندازی امامت و رہبری اور ولایت کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ یہ ایک قسم کی شفاعت ہے جس کا اس دنیا میں اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ معصومین علیہم السلام کے مزارات اور حرمِ مطہر، فطرتِ انسانی کو جذب کرتے ہیں اور دلوں کو ایک نیک عمل اور کارِ خیر کی طرف لگا دیتے ہیں۔ جب زائر میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو ایک مصمم قوت ارادی کے ساتھ دوستی و دشمنی کیلئے آواز دیتا ہے:

اِنِّیْ سِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَکُمْ۔

میری صلح و دوستی ہے اس کے ساتھ جس سے آپؑ کی صلح و دوستی ہے اور میری دشمنی و جنگ ہے اس سے جس سے آپؑ کی دشمنی و جنگ ہے۔

یہ جملہ کہنا خود عقیدہ کی پختگی اور ولایت کی طرف قدم اٹھانا ہے۔

زیارت میں عقیدتی پہلو کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی پہلو بھی ہے۔ ''زائر'' جو بھی ہو، جہاں کی بھی ''زیارت'' ہو رہی ہو اور کسی بھی معصومؑ کے حرم کی زیارت ہو، سب میں رشد و ہدایت کا سلسلہ ہوتا ہے۔ چاہے خانہ کعبہ کی زیارت ہو یا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یا پھر قبور آئمہ و اولیائے بقیع اور مدفونین قبرستان ابوطالبؑ یا شہدائے اُحد، عراق و ایران کے حرم ہوں یا امامزادگان کے مرقد اور علمائے کرام و شہداء کی قبور ہوں، یا مومنین صالحین کی قبریں۔۔۔۔۔ ہر جگہ یادِ خدا اور دلوں کی بیداری کی باتیں ہیں۔

حرم اور زیارت گاہوں میں اس بلڈنگ کے ظاہری تعمیراتی ہنر اور فن کی خوبصورتی اور بناوٹ کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ وہ ایک پاک، محترم، معنویت، صداقت اور کمال والے مقامات ہیں

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۶۴۔

جہاں رذائل اور گناہوں سے باز رہنے کے زریں سلسلے ملتے ہیں۔

زیارت کے اثرات وفوائد

یہی وجہ ہے کہ زیارات کے ثواب کو اگر دیکھا جائے تو اس کے درج ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں:

- ۱۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے قیامت میں آپؐ کی شفاعت نصیب ہوگی۔
- ۲۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی زیارت گناہوں سے خلاصی ہے۔
- ۳۔زیارت حضرت امام حسن اور آئمہ بقیع علیہم السلام گناہوں سے پاکی ہے۔
- ۴۔زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام ستر (۷۰) حج کے برابر ہے۔اس میں ہر قدم پر نیکی اور حسنہ لکھا جاتا ہے اور ہر قدم پر برائی محو ہوتی ہے۔ایام زیارت میں زائر امام حسینؑ کی عمر کا حساب نہیں ہوتا۔ اس کا ثواب عمرہ کے برابر ہوتا ہے۔آخرت میں شفاعت نصیب ہوگی، دنیا کے غم واندوہ دور ہوں گے اور حاجتیں پوری ہوں گی۔
- ۵۔زیارات کاظمین: حضرات امامین موسیٰ بن جعفر اور امام محمد تقی علیہما السلام کا ثواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ثواب کے برابر ہے۔
- ۶۔زیارت مشہد مقدس حضرت امام رضا علیہ السلام کا ثواب شہدائے بدر کے برابر ہے اور ہزار حج کے برابر ہے۔
- ۷۔زیارت حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کا ثواب بھی دیگر آئمہؑ کی طرح ہے۔
- ۸۔زیارتِ سردابِ سامراء (زیارتِ آل یاسین)، دُعائے عہد و دُعائے ندبہ پڑھنے والے کا شمار حضرت بقیۃ اللہ الاعظم امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے انصار میں سے ہوگا اور اس آپؑ کی شفاعت نصیب ہوگی۔[1]
- ۹۔زیارتِ دمشق: حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے سارے آئمہؑ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

---

[1] تلخیص از کتاب ''زیارت''، ص ۱۲۔۲۸، بحوالہ کتاب کامل الزیارات۔

- ۱۰۔ زیارت حضرت فاطمہ معصومہ قم سلام اللہ علیہا کا ثواب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زیارت کے برابر اور جنت کی ضمانت ہے۔
- ۱۱۔ زیارت شہر رے: حضرت عبد العظیم حسنیؑ کا ثواب، حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے برابر ہے۔
- ۱۲۔ مومنین کی قبروں کی زیارت کیلئے احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو ہماری زیارت کو نہ آسکے وہ قبور مومنین کی زیارت کرے، وہی ثواب ہوگا۔

زیارت سے متعلق اہم تاکید

اکثر احادیثِ معصومین علیہم السلام سے درج ذیل نکات اور تاکیدات ملتی ہیں:

الف۔ ہر حرم میں زیارتِ عاشورہ، زیارت امین اللہ اور زیارت جامعہ کبیرہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

ب۔ ہر شبِ جمعہ زیارت وارثہ مسلسل پڑھنی چاہیے۔

ج۔ روزانہ زیارتِ عاشورہ پڑھنے سے تمام دینی و دنیاوی حاجات پوری ہوتی ہیں۔

د۔ حتی الامکان نماز فجر کے بعد روزانہ دُعائے عہد پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

التماس دُعا!

✲✲✲✲✲

امام زین العابدینؑ اور واقعہ کربلا[1]

تبیان نیٹ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی جبکہ حضرت علی علیہ السلام امام زمانہ تھے۔ دو سال ان کی ظاہری زندگی میں آپؑ نے حالت طفولیت میں ایام حیات گزارے۔ پھر ۵۰ھ تک حضرت امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا۔ پھر عاشور ۶۱ھ تک حضرت امام حسین علیہ السلام فرائض امامت کی انجام دہی فرماتے رہے۔ عاشور کی دوپہر کے بعد سے ساری ذمہ داری آپؑ پر عائد ہوگئی۔ اس عظیم ذمہ داری سے قبل کے واقعات کا پتہ صراحت کے ساتھ نہیں ملتا۔ البتہ آپؑ کی عبادت گزاری اور آپؑ کے اخلاقی کارنامے روایت اور تاریخ کی کتابوں کی زینت ہیں۔ بہرصورت حضرت علی علیہ السلام کے آخری ایام حیات کے واقعات اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تو تقریباً ۲۳ سال گزارے تھے۔ یقیناً حضرت امام حسین علیہ السلام کے جملہ معاملات میں آپؑ نے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ساتھ دیا ہی ہوگا، لیکن مقصد امام حسینؑ کے فروغ دینے میں آپؑ نے اپنے عہد امامت کے آغاز ہونے پر انتہائی کمال کر دیا۔

مدینہ سے کربلا تک

۲۸ رجب ۶۰ھ کو آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے۔ چار ماہ قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ۲ محرم الحرام کو وارد کربلا ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے آپؑ علیل ہو گئے اور آپؑ کی علالت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپؑ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت تک

[1] بشکریہ از: تبیان نیٹ (www.tebyan.net)۔

اس قابل نہ ہو سکے کہ میدان میں جا کر درجہ شہادت حاصل کرتے۔ تاہم فراہم موقع پر آپؑ نے جذبات نصرت کو بروئے کار لانے کی سعی کی۔ جب بھی کوئی آوازِ استغاثہ کان میں آئی آپؑ اٹھ بیٹھے اور میدان کار زار میں شدت مرض کے باوجود جا پہنچنے کی سعی بلیغ کی۔ امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ پر تو آپؑ خیمہ سے بھی نکل آئے اور ایک چوب خیمہ لے کر میدان کا عزم کر دیا۔ ناگاہ امام حسین علیہ السلام کی نظر آپؑ پر پڑ گئی اور آپؑ نے انہیں جنگ سے روک دیا۔ بقولے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو آواز دی: "بہن! سیّد سجاد کو روکو ورنہ نسل رسول کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ چنانچہ حکم امامؑ سے بی بی زینبؑ نے سیّد سجاد کو میدان میں جانے سے روک لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سادات کا وجود نظر آ رہا ہے۔ اگر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام علیل ہو کر شہید ہونے سے نہ بچ جاتے تو نسل رسول صرف امام محمد باقر علیہ السلام میں محدود رہ جاتی۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ مرض اور علالت کی وجہ سے آپؑ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز نہ ہو سکے۔[1]

عہدِ امامت کا آغاز اور مصائب کے پہاڑ

شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپؑ انہی خیموں میں سے ایک خیمہ میں بدستور پڑے ہوئے تھے۔ ہماری ہزار جانیں قربان ہو جائیں حضرت زینب سلام اللہ علیہا پر کہ انہوں نے اہم فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ امام زین العابدین علیہ السلام کے تحفظ کا ادا فرمایا اور امام علیہ السلام کو بچا لیا۔ الغرض رات گزاری اور صبح نمودار ہوئی۔ دشمنوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو اس طرح جھنجوڑا کہ آپؑ اپنی بیماری بھول گئے۔ آپؑ سے کہا گیا کہ ناقوں پر سب کو سوار کرو اور ابن زیاد کے دربار میں چلو۔ سب کو سوار کرنے کے بعد آل محمد علیہم السلام کا سار بان پھوپھیوں، بہنوں اور تمام مخدرات کو لئے ہوئے داخل دربار ہوا۔ حالت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے ہوئے اور امام علیہ السلام لوہے میں جکڑے ہوئے دربار میں پہنچ گئے۔ آپؑ چونکہ ناقہ کی برہنہ پشت پر سنبھل نہ سکتے تھے۔ اس لئے آپؑ کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا گیا تھا۔ دربار کوفہ میں داخل ہونے کے بعد آپؑ اور مخدرات عصمت قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔

---

[1] نورالابصار، ص ۱۲۶۔

سات روز کے بعد آپؑ سب کو لئے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۹ منزلیں طے کر کے تقریباً ۳۶ ریوم میں شام پہنچے۔ کامل شیخ بہائی میں ہے کہ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ ھ کو بدھ کے دن آپؑ دمشق پہنچے ہیں۔ اللہ رے صبر امام زین العابدینؑ! بہنوں اور پھوپھیوں کا ساتھ اور لب شکوہ پر سکوت کی مہر۔

حدود شام کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپؑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی، پیروں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق آہنی پڑا ہوا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ لوگ آپ پر پتھر برسا رہے تھے۔ اسی لئے آپؑ نے بعد واقعہ کربلا ایک سوال کے جواب میں "الشام، الشام، الشام" فرمایا تھا۔[1]

شام پہنچنے کے کئی گھنٹوں یا دنوں کے بعد آپؑ آل محمد علیہم السلام کو لئے ہوئے سرہائے شہداء سمیت داخل دربار ہوئے۔ پھر قید خانہ میں بند کر دیئے گئے جہاں مختلف مصائب جھیلے۔

قید خانہ بھی ایسا تھا کہ جس میں تمازت آفتابی کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہو گئی تھیں[2]۔ مدت قید کے بعد آپؑ سب کو لئے ہوئے ۲۰ رصفر ۶۲ ھ کو وارد کربلا ہوئے۔ آپؑ کے ہمراہ سر امام حسینؑ بھی کر دیا گیا تھا۔ آپؑ نے اسے اپنے پدر بزرگوار کے جسم مبارک سے ملحق کیا۔[3]

۸ ربیع الاول ۶۲ ھ کو آپؑ امام حسین علیہ السلام کا لٹا ہوا قافلہ لئے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے آہ وزاری اور کمال رنج وغم سے آپؑ کا استقبال کیا۔ ۱۵ شبانہ وروز نوحہ وماتم ہوتا رہا۔[4]

اس عظیم واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ جناب زینب علیہا السلام کے بال اس طرح سفید ہو گئے تھے کہ جاننے والے انہیں پہچان نہ سکے[5]، بی بی ربابؑ نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا، امام زین العابدین علیہ السلام تا حیات گریہ فرماتے رہے[6] اور اہل مدینہ یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو کر باغی ہو گئے جس کے بعد واقعہ حرّہ کی نوبت آ گئی جس میں ظلم کی وہ داستانیں دہرائی گئیں کہ تاریخ ان کے بیان سے شرماتی ہے۔

---

[1] تحفہ حسینیہ، علامہ بسطامی۔

[2] بحوالہ مقتل لہوف۔

[3] ناسخ التواریخ۔

[4] تفصیلی واقعات کیلئے کتب مقاتل وسیر ملاحظہ کی جائیں۔

[5] احسن القصص، ص ۱۸۲، طبع نجف۔

[6] جلاء العیون، ص ۲۵۶۔

ابن زیاد کے دربار میں امام زین العابدینؑ کی شجاعت

اسیروں کا قافلہ جب ابن زیاد کی مجلس میں داخل ہوا تو عبید اللہ ابن زیاد کی نظر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پر پڑی۔ ابن زیاد سمجھ رہا تھا کہ کربلا کے واقعہ میں کوئی بھی مرد باقی نہیں بچا ہے اور سب کے سب قتل ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنی فوج سے ان کے متعلق سوال کیا۔ اور اس کے اس طرح کے سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو امام زین العابدین علیہ السلام کے زندہ رہنے اور خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً امام حسین علیہ السلام سے کس قدر بغض و حسد تھا کہ وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام کی کسی اولاد کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

مشہور مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں امام زین العابدین علیہ السلام اور ابن زیاد کے مابین ہونے والی گفتگو کو نقل کیا ہے:

ابن زیاد: تمہارا کیا نام ہے؟

امام زین العابدین علیہ السلام: علی بن الحسین علیہما السلام۔

ابن زیاد: کیا خداوند عالم نے علی بن الحسین علیہما السلام کو کربلا میں قتل نہیں کر دیا؟

یہ سن کر امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک لمحہ کیلئے خاموشی اختیار کی۔

ابن زیاد: جواب کیوں نہیں دیتے؟

امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کے جواب میں ان دو آیات مجیدہ کی تلاوت فرمائی:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾

اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اپنی طرف بلا لیتا ہے۔[1]

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

کوئی نفس بھی اذن پروردگار کے بغیر نہیں مر سکتا ہے۔[2]

---

[1] سورۂ زمر، آیت ۴۲۔

[2] سورۂ یونس، آیت ۱۰۰۔

ابن زیاد آپؑ کی حاضر جوابی اور دندان شکن جواب سن کر آگ بگولا ہوگیا اور حکم دیا کہ آپؑ کو بھی شہید کردیا جائے، لیکن حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

یَا ابْنَ زِیَادٍ! حَسْبُكَ مِنْ دِمَآئِنَا اَسْئَلُكَ بِاللّٰهِ اِنْ قَتَلْتَهُ اِلَّا قَتَلْتَنِیْ مَعَهُ۔

اے ابن زیاد! تو نے ہمارا جو خون بہایا ہے وہ تیرے لے کافی نہیں ہے؟ خدا کی قسم! اگر تو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کردے۔

اس پر موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ابن زیادہ امام زین العابدین علیہ السلام کے قتل سے باز آگیا۔[1]

ایک شامی کی گستاخی اور پھر توبہ

قافلہ دربار کی جانب بڑھ رہا تھا کہ ایک بوڑھا شخص جو حقیقت حال سے واقف نہیں تھا اور بنی امیہ کے مذموم پروپیگنڈے کا شکار تھا، اہل بیت علیہم السلام کے قافلے کے قریب جا کر کہنے لگا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَتَلَكُمْ وَ اَهْلَكَكُمْ وَ اَرَاحَ الْبِلَادَ عَنْ رِجَالِكُمْ وَ اَمْكَنَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْكُمْ۔

(نعوذ باللہ!) خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو قتل کیا اور لوگوں کو تمہارے مردوں کے شر سے راحت پہنچائی اور امیر (یزید) کو تم پر فتح ونصرت عطا کی۔

پیر مرد کی جسارت پر صابروں کے سیّد وسردار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے نہایت صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے بڑی متانت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ نگاہ امامت نے چاہا کہ پیر مرد کو اپنے آستانے سے منزل دکھائیں۔ شان کریمی کی مالک ہستیاں اسی طرح اپنے لطف واحسان سے نوازا کرتی ہیں۔ امامؑ نے چند آیات تلاوت کیں:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾

کہہ دیجئے! میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قربیٰ سے مودّت رکھو۔[2]

---

[1] تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۵۰۔ انساب الاشراف، ج ۳، ص ۲۰۶۔

[2] سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳۔

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾

اورتم قرابت دار مسکین اور غربت زدہ مسافر کو اس کا حق دے دو۔[1]

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

بس اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہلبیتؑ! تم سے نجاست و برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔[2]

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان آیات کے مصداق ہم ہیں۔

بوڑھا شخص یہ سن کر بہت حیران و پریشان ہوا۔ اسے حیران و سرگرداں دیکھ کر امامؑ نے اسے اس حالت سے نکالنے کیلئے ارشاد فرمایا:

تَاللّٰهِ اِنَّا لَنَحْنُ هُمْ مِنْ غَيْرِ شَكٍّ وَ حَقٍّ. جَدِّنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) اِنَّا لَنَحْنُ هُمْ۔

خدا کی قسم بے شک ہم ہی ان آیات کا مصداق ہیں۔ رسول اکرمؐ ہمارے جد ہیں اور ہم ہی ان آیات کے مصادیق ہیں۔

راوی کہتا ہے: یہ سن کر اس بوڑھے نے گریہ کرنا شروع کر دیا، اس نے اپنا سر کا عمامہ پھینک دیا اور ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَبْرَأُ اِلَيْكَ مِنْ عَدُوِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (ص) مِنْ جِنٍّ وَّ اِنْسٍ۔

پروردگارا! ہم تیرے حضور آل محمدؐ کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں، خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

اس کے بعد اس نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی:

هَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟: کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟

---

[1] سورۂ روم، آیت ۳۸۔

[2] سورۂ احزاب، آیت ۳۳۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ! اِنْ تُبْتَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ اَنْتَ مَعَنَا۔

اگر تم توبہ کرلو تو خدا تمہاری توبہ کو قبول کرلے گا اور تمہارا شمار بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔

اس پر اس بوڑھے شخص نے توبہ کرلی۔ یزید کو جب بوڑھے کے واقعے کا علم ہوا تو اس نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا جس پر اس کو شہید کر دیا گیا۔[1]

واقعہ کربلا اور حضرت امام زین العابدینؑ کے خطبات

معرکہ کربلا کی غمگین داستان، تاریخ اسلام ہی کی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا افسوسناک سانحہ ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اوّل سے آخر تک اس ہوش ربا اور روح فرسا واقعہ میں اپنے بابا کے ساتھ رہے اور والد گرامی کی شہادت کے بعد خود اس المیہ کے بطل عظیم بنے اور پھر جب تک زندہ رہے اس سانحہ کا ماتم کرتے رہے۔

۱۰ محرم ۶۱ ھ ء کا واقعہ اور اندوہناک حادثہ جس میں ۱۸ / بنی ہاشم اور بہتر اصحاب و انصار کام آئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو مدت العمر گھلاتا رہا اور مرتے دم تک اس کی یاد فراموش نہ ہوئی اور اس کا صدمہ جانکاہ دور نہ ہوا۔ آپؑ یوں تو اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے مگر لطف زندگی سے محروم رہے اور کسی نے آپؑ کو بشاش اور مسرور نہ دیکھا۔ اس جانکاہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپؑ نے جو جابجا خطبات ارشاد فرمائے ہیں انہیں قارئین کرام کی نذر کیا جاتا ہے:

ا۔ کوفہ میں آپؑ کا خطبہ:

کتب مقاتل میں ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سب خاموش ہوگئے تو آپؑ کھڑے ہوئے، خدا کی حمد و ثناء کی، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا، ان پر صلوات بھیجی اور پھر ارشاد فرمایا:

---

[1] لہوف، ص ۱۷۶۔۱۷۸۔

اَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ عَرَفَنِيْ فَقَدْ عَرَفَنِيْ وَ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِيْ فَاَنَا اُعَرِّفُهٗ بِنَفْسِيْ. اَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (ع). اَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِكَتْ حُرْمَتُهٗ وَ سُلِبَتْ نِعْمَتُهٗ وَ انْتُهِبَ مَالُهٗ وَ سُبِيَ عِيَالُهٗ. اَنَا ابْنُ الْمَذْبُوْحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَّ لَا تِرَاتٍ. اَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا وَّ كَفٰى بِذٰلِكَ فَخْرًا۔

اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے جو نہیں جانتا اسے میں بتاتا ہوں، میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی، جس کا سامان لوٹا گیا، جس کے اہل وعیال قید کر دیئے گئے، میں اس کا فرزند ہوں جو ساحل فرات پر ذبح کر دیا گیا اور بغیر کفن ودفن چھوڑ دیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جسے اذیتیں دے دے کر شہید کیا گیا۔ ہاں (یہ شہادت) ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

وخانوادہ اش بہ اسارت گرفتہ شد. من پسر کسی ام کہ با آزار وشکنجہ بہ شہادت رسید وہمین افتخار مارا کافی است!

اَيُّهَا النَّاسُ! فَاَنْشُدُكُمُ اللهَ! هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّكُمْ كَتَبْتُمْ اِلٰى اَبِيْ وَ خَدَعْتُمُوْهُ وَ اَعْطَيْتُمُوْهُ مِنْ اَنْفُسِكُمُ الْعَهْدَ وَ الْمِيْثَاقَ وَ الْبَيْعَةَ وَ قَاتَلْتُمُوْهُ. فَتَبًّا لِّمَا قَدَّمْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ سَوْاَةً لِّرَاْيِكُمْ. بِاَيَّةِ عَيْنٍ تَنْظُرُوْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ (ص) اِذْ يَقُوْلُ لَكُمْ: قَتَلْتُمْ عِتْرَتِيْ وَ انْتَهَكْتُمْ حُرْمَتِيْ فَلَسْتُمْ مِنْ اُمَّتِيْ۔

اے لوگو! تمہارا برا ہو کہ تم نے اپنے لئے ہلاکت کا سامان مہیا کر لیا، تمہارے فیصلے کس قدر برے ہیں، تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے نظریں ملاؤ گے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے باز پرس کرتے ہوئے تم سے فرمائیں گے: تم وہ لوگ ہو جنہوں نے میری عترت کو قتل کیا اور میرے اہل حرم کو ذلیل کیا، تم میرے امتی نہیں ہو۔[1]

---

[1] اللہوف، ص ۶۸۔

۲۔دربارشام میں آپؑ کا خطبہ:

کتب روایت ومقتل میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اہل حرم سمیت دربار یزید میں داخل کئے گئے۔اس دربار میں جب آپؑ کو منبر پر جانے کا موقع ملا تو آپؑ منبر پر تشریف لے گئے اور انبیائے کرام کی طرح شیریں زبان میں نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اُعْطِیْنَا سِتًّا وَ فُضِّلْنَا بِسَبْعٍ:

اے لوگو! خداوند عالم نے ہمیں چھ چیزوں سے نوازا ہے اور سات چیزوں سے دوسرے لوگوں پر فضلیت عطا فرمائی ہے۔

اُعْطِیْنَا: الْعِلْمَ وَ الْحِلْمَ وَ السَّمَاحَۃَ وَ الْفَصَاحَۃَ وَ الشَّجَاعَۃَ وَ الْمَحَبَّۃَ فِی قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

وہ چیزیں جنہیں پروردگار نے ہمیں عطا کیا ہے (وہ یہ ہیں:) ۱۔علم، ۲۔حلم وبردباری، ۳۔بخشش و بزرگواری، ۴۔ فصاحت، ۵۔ شجاعت، ۶۔ مومنین کے دلوں میں ہماری محبت۔

وَ فُضِّلْنَا: بِاَنَّ مِنَّا النَّبِیَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّدًا وَ مِنَّا الصِّدِّیْقُ وَ مِنَّا الطَّیَّارُ وَ مِنَّا اَسَدُ اللّٰہِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِہٖ وَ مِنَّا سِبْطَا ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔

اور وہ سات چیزیں جن میں ہمیں تمام مخلوق پر فضلیت نصیب فرمائی (یہ ہیں:) ۱۔پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ہیں۔ ۲۔صدیق (جنہوں نے سب سے پہلے آنحضرتؐ پر ایمان کا اعلان کیا یعنی علی ابن ابی طالبؑ) ہم سے ہیں۔ ۳۔جعفر طیارؑ ہم سے ہیں۔ ۴۔اللہ اور رسول خدا کے شیر (حمزہ سیّد الشہداءؑ) ہم میں سے ہیں۔ ۶،۵)اس امت کے سبطین شریفین (امام حسنؑ وامام حسینؑ) ہم سے ہیں۔[1]

---

[1] معالی السبطین اور کامل شیخ بہائی نے اضافہ کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ امامؑ نے آخری خصوصیت یہ بتائی ہے کہ ''مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف بھی ہم سے ہیں''۔

مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ اَنْبَأْتُهٗ بِحَسَبِیْ وَنَسَبِیْ۔

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو مجھے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنا حسب و نسب بتائے دیتا ہوں۔

اَیُّهَا النَّاسُ! اَنَا ابْنُ مَکَّةَ وَمِنٰی. اَنَا ابْنُ زَمْزَمَ وَالصَّفَا. اَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ الرُّکْنَ بِأَطْرَافِ الرِّدَا. اَنَا ابْنُ خَیْرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَارْتَدٰی. اَنَا ابْنُ خَیْرِ مَنِ انْتَعَلَ وَاحْتَفٰی. اَنَا ابْنُ خَیْرِ مَنْ طَافَ وَسَعٰی. اَنَا ابْنُ خَیْرِ مَنْ حَجَّ وَلَبّٰی۔

میں فرزند مکہ و منیٰ ہوں، میں فرزند زمزم و صفا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر اسود کو اپنی ردا میں اٹھا کر اس کی اصل جگہ پر نصب کیا، میں چادر والے کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے کفش پہنے اور جو پابرہنہ گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کی شان یہ ہے کہ اس نے طواف اور سعی انجام دی، میں اس بہترین باپ کا بیٹا ہوں جس نے حج کیا اور تلبیہ کہا۔

اَنَا ابْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَی الْبُرَاقِ فِی الْهَوَآءِ. اَنَا ابْنُ مَنْ اُسْرِیَ بِهٖ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی. اَنَا ابْنُ مَنْ بَلَغَ بِهٖ جَبْرَئِیْلُ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی. اَنَا ابْنُ مَنْ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. اَنَا ابْنُ مَنْ صَلّٰی بِمَلٰٓئِکَةِ السَّمَآءِ. اَنَا ابْنُ مَنْ اَوْحٰی اِلَیْهِ الْجَلِیْلُ مَآ اَوْحٰی. اَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی۔

میں اس کا بیٹا ہوں جسے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جسے جبرائیلؑ سدرة المنتہیٰ تک لے گئے اور اس قدر بلند ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی قریب جا پہنچا، میں اس کا فرزند ہوں جس نے ملائکہ کو نماز پڑھائی، میں اس کا بیٹا ہوں جسے خدا نے وحی فرمائی، میں فرزند محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

اَنَا ابْنُ عَلِیٍّ الْمُرْتَضٰی. اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ خَرَاطِیْمَ الْخَلْقِ حَتّٰی قَالُوْا: لَآ اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰهُ. اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَيْفَيْنِ وَ طَعَنَ بِرُمْحَيْنِ وَ هَاجَرَ الْهِجْرَتَيْنِ وَ بَايَعَ الْبَيْعَتَيْنِ وَ قَاتَلَ بِبَدْرٍ وَ حُنَيْنٍ وَ لَمْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ. اَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ وَارِثِ النَّبِيِّيْنَ وَ قَامِعِ الْمُلْحِدِيْنَ وَ يَعْسُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ نُوْرِ الْمُجَاهِدِيْنَ وَ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَ تَاجِ الْبَكَّائِيْنَ وَ اَصْبَرِ الصَّابِرِيْنَ وَ اَفْضَلِ الْقَائِمِيْنَ مِنْ اٰلِ يَاسِيْنَ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

میں فرزند علی مرتضیٰ علیہ السلام ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے راہ خدا میں جہاد کیا تو لوگوں نے کلمہ توحید کا اقرار کیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے پیغمبر اکرمؐ کے دوش بدوش دو شمشیروں اور دو نیزوں سے جنگ کی، جس نے دو مرتبہ ہجرت اور دو مرتبہ بیعت کی، جس نے بدر و حنین میں کافروں کے ساتھ جنگ کی اور چشم زدن تک بھی خدا کا کفر اختیار نہیں کیا، میں مومنین میں سے سب سے صالح، انبیاءؑ کے وارث، مشرکوں کا قلع قمع کرنے والے، مسلمانوں کے امیر، جہاد کو فروغ دینے والے، عابدین کی زینت، خوف خدا میں گریہ کرنے والوں کے سر کے تاج، سب سے بڑے صابر اور پروردگار عالم کے رسولؐ، یاسینؐ کی آل میں سے سب سے افضل نمازی کا فرزند ہوں۔

اَنَا ابْنُ الْمُؤَيَّدِ بِجَبْرَئِيْلَ الْمَنْصُوْرِ بِمِيْكَائِيْلَ. اَنَا ابْنُ الْمُحَامِىْ عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ قَاتِلِ الْمَارِقِيْنَ وَ النَّاكِثِيْنَ وَ الْقَاسِطِيْنَ وَ الْمُجَاهِدِ اَعْدَائَهُ النَّاصِبِيْنَ وَ اَفْخَرِ مَنْ مَشٰى مِنْ قُرَيْشٍ اَجْمَعِيْنَ وَ اَوَّلِ مَنْ اَجَابَ وَ اسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَوَّلِ السَّابِقِيْنَ وَ قَاصِمِ الْمُعْتَدِيْنَ وَ مُبِيْدِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ سَهْمٍ مِنْ مَرَامِى اللّٰهِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَ لِسَانِ حِكْمَةِ الْعَابِدِيْنَ وَ نَاصِرِ دِيْنِ اللّٰهِ وَ وَلِيِّ اَمْرِ اللّٰهِ وَ بُسْتَانِ حِكْمَةِ اللّٰهِ وَ عَيْبَةِ عِلْمِهٖ۔

میں اس کا بیٹا ہوں کہ جن کی جبرائیلؑ نے حمایت کی اور میکائیلؑ نے نصرت کی، میں

اس کا بیٹا ہوں جس نے مسلمانوں کی عزت و بھرم کی حمایت کی اور مارکین، ناکثین اور قاسطین کے ساتھ جنگ کی اور دشمنوں کے خلاف قیام کیا، میں قریش کے بہترین فرد کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے سب سے پہلے خدا اور رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہی، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے مشرکین کی کمر توڑ دی، میں اس کا بیٹا ہوں جو منافقین کیلئے الٰہی تیروں میں ایک تیر تھے، عبادت گزاروں کی حکمت بھری زبان، دین خدا کے حامی و مددگار، امر پروردگار کے ولی، حکمت الٰہی کے گلزار اور علم الٰہی کے مالک تھے۔

سَمِحٌ سَخِیٌّ بَهِیٌّ بُهْلُوْلٌ زَكِیٌّ اَبْطَحِیٌّ رَضِیٌّ مِقْدَامٌ هُمَامٌ صَابِرٌ صَوَّامٌ مُهَذَّبٌ قَوَّامٌ. قَاطِعُ الْاَصْلَابِ وَ مُفَرِّقُ الْاَحْزَابِ. اَرْبَطُهُمْ عِنَانًا وَ اَثْبَتُهُمْ جَنَانًا وَ اَمْضَاهُمْ عَزِیْمَةً وَ اَشَدُّهُمْ شَكِیْمَةً. اَسَدٌ بَاسِلٌ یَطْحَنُهُمْ فِی الْحُرُوْبِ اِذَا ازْدَلَفَتِ الْاَسِنَّةُ وَ قَرُبَتِ الْاَعِنَّةُ. طَحْنَ الرَّحٰی وَ یَذْرُوْهُمْ فِیْهَا ذَرْوَ الرِّیْحِ الْهَشِیْمَ۔

جو نہایت شجاع، سخی، خیر و خوبی کا مرکز، سیّد و سردار، پاک و پاکیزہ، ابطحی، اللہ کی رضا پر راضی، مصائب و شدائد میں ثابت قدم، صابر و شکیبا، دائمی روزہ دار، ہر قسم کی آلودگی سے پاک و پاکیزہ اور جو سب سے بڑے نمازی تھے، جنہوں نے دشمنوں کی نسلیں ختم کر دیں، جس نے کفر و نفاق کے گروہ کا شیرازہ بکھیرا، جس کا دل مطمئن، جس کا عزم محکم و استوار، جس کا ارادہ پائیدار، جب میدان جنگ میں آتے تو شجاع شیر کی طرح ٹوٹ پڑتے اور دشمن چکی میں دانوں کی طرح پس جاتے اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔

لَیْثُ الْحِجَازِ وَ كَبْشُ الْعِرَاقِ. مَكِّیٌّ مَدَنِیٌّ خَیْفِیٌّ عَقَبِیٌّ بَدْرِیٌّ اُحُدِیٌّ شَجَرِیٌّ مُهَاجِرِیٌّ مِنَ الْعَرَبِ سَیِّدُهَا وَ مِنَ الْوَغٰی لَیْثُهَا وَارِثُ الْمَشْعَرَیْنِ وَ اَبُو السِّبْطَیْنِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ ذَاكَ جَدِّی عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ۔

وہ حجاز کے شیر، عراق کے سیّد و سردار، مکی، مدنی، خیفی، عقبی، بدر و اُحد کے فاتح، بیعت شجرہ میں شرکت کرنے والے اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے تھے۔ وہ عرب کے سیّد و بزرگوار، میدان کارزار کے شیر، دو مشعروں[1] کے وراث اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کے پدر بزرگوار یعنی میرے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔

مولائے کائنات علیہ السلام کا جامع تعارف کروانے کے بعد آپؑ نے فرمایا:

اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ اَنَا ابْنُ سَيِّدَةِ النِّسَاءِ۔

میں فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا بیٹا ہوں، میں خواتین عالم کی سردار خاتون کا بیٹا ہوں۔

آپؑ مسلسل ''میں وہ ہوں۔۔۔'' فرما کر اپنا تعارف کروائے جا رہے تھے کہ لوگوں کے گریہ و بکاء اور نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہو گئیں اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

یزید نے موقع کی نزاکت کو دیکھا اور اسے انقلاب کا خطرہ محسوس ہوا تو مؤذن کو کہا کہ اذان دے تاکہ اس بہانے امام علیہ السلام کو خاموش کیا جائے۔ مؤذن نے فوراً اذان دینا شروع کر دی تو امام علیہ السلام نے اپنا سلسلۂ کلام روک دیا۔ مؤذن نے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ'' (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا تو امامؑ نے فرمایا:

لَا شَيْءَ اَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ: ''خدا سے بڑھ کر کوئی بزرگ و برتر نہیں ہے''۔

مؤذن نے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) کہا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

شَهِدَ بِهَا شَعْرِيْ وَ بَشَرِيْ وَ لَحْمِيْ وَ دَمِيْ: ''میرے بال، کھال، گوشت اور خون یہی گواہی دیتے ہیں''۔

پھر جب مؤذن نے ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] لغوی لحاظ سے ''مشعر'' اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پر زیادہ درخت ہوں چنانچہ ''دو مشعروں'' سے مراد دو جنتیں مراد ہوں گی جیسا کہ سورۂ رحمٰن آیت ۴۶ میں ارشاد ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾: (اور اس شخص کیلئے جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں)۔ اور ممکن ہے ''مشعر'' سے مراد مزدلفہ ہو جہاں دسویں ذوالحجہ کی شب حاجی وقوف کرتے ہیں اور بہت محترم جگہ ہے۔ اس صورت میں ''دو مشعروں'' سے مراد ''مزدلفہ و عرفات'' قرار پائیں گے۔

اللہ کے رسول ہیں) کہا تو امام علیہ السلام نے منبر پر سے یزید کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا:

مُحَمَّدٌ هٰذَا جَدِّیْ اَمْ جَدُّكَ يَا يَزِيْدُ! فَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهٗ جَدُّكَ فَقَدْ كَذَبْتَ وَ كَفَرْتَ وَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهٗ جَدِّیْ فَلِمَ قَتَلْتَ عِتْرَتَهٗ۔

اے یزید! جس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی اس اذان میں گواہی دی جا رہی ہے وہ تیرے جد ہیں یا میرے؟ اگر تو کہے کہ تیرے جد ہیں تو، تو جھوٹ بولے گا اور کفر کا مرتکب ٹھہرے گا اور اگر تو یہ مانتا ہے کہ میرے جد ہیں تو پھر مجھے یہ بتا کہ تو نے ان کی عترتؑ (حسینؑ بن علیؑ اور ان کی اولاد) کو کیوں شہید کیا؟۔[1]

واضح رہے کہ بعض کتب تاریخ میں حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنا تعارف یوں فرمایا:

اَنَا ابْنُ الْحُسَيْنِ الْقَتِيْلِ بِكَرْبَلَاءَ. اَنَا ابْنُ عَلِيِّ الْمُرْتَضٰى. اَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى. اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ. اَنَا ابْنُ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى. اَنَا ابْنُ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى. اَنَا ابْنُ شَجْرَةِ طُوْبٰى. اَنَا ابْنُ الْمُرَمَّلِ بِالدِّمَآءِ. اَنَا ابْنُ مَنْ بَكٰى عَلَيْهِ الْجِنُّ فِي الظَّلْمَآءِ. اَنَا ابْنُ مَنْ نَاحَ عَلَيْهِ الطُّيُوْرُ فِي الْهَوَآءِ۔

میں شہید کربلا امام حسینؑ بیٹا ہوں، میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کا بیٹا ہوں، میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا ہوں، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بیٹا ہوں، میں خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا فرزند ہوں، میں سدرۃ المنتہیٰ کا بیٹا ہوں، میں شجرۂ طوبیٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جو خون میں غلطاں رہا، میں اس کا فرزند ہوں جس پر جنوں نے تاریکیوں میں گریہ و ماتم کیا اور میں اس کا بیٹا ہوں جس پر پرندوں نے ہوا میں گریہ و بکا کیا۔[2]

۳۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ کا خطبہ:

مقاتل کی کتب میں ہے ایک سال تک قید خانہ شام کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد جب اہل بیت رسولؐ کی رہائی ہوئی اور یہ قافلہ کربلا ہوتا ہوا مدینہ کی طرف چلا تو قریب مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام نے

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۳۸۔۱۳۹۔ نفس المہموم، ص ۲۴۳۔ مقتل الحسینؑ، ص ۴۲۲۔

[2] نفس المہموم، ص ۲۶۱، مقتل الحسینؑ، ص ۴۲۳۔ قصہ کربلا، شیخ علی نظری منفرد، ص ۱۹۹۔

لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا، سب کے سب خاموش ہو گئے تو آپؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ... مٰالِکِ یَوْمِ الدِّینِ بَارِئِ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْنَ الَّذِی بَعُدَ فَارْتَفَعَ فِی السَّمَاوَاتِ الْعُلَی وَ قَرُبَ فَشَھِدَ النَّجْوَی نَحْمَدُہٗ عَلَی عَظَائِمِ الْاُمُورِ وَ فَجَائِعِ الدُّھُورِ وَ اَلَمِ الْفَجَائِعِ وَ مَضَاضَۃِ اللَّوَاذِعِ وَ جَلِیلِ الرُّزْءِ وَ عَظِیمِ الْمَصَائِبِ الْفَاظِعَۃِ الْکَاظَّۃِ الْفَادِحَۃِ الْجَآئِحَۃِ۔

حمد اس خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، روز جزا کا مالک ہے، تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے، جو اتنا دور ہے کہ بلند آسمان سے بھی بلند ہے اور اتنا قریب ہے کہ سامنے موجود ہے اور ہماری باتوں کو سنتا ہے، ہم خدا کی تعریف کرتے ہیں اور اس کا شکر بجالاتے ہیں عظیم حادثوں، زمانے کی ہولناک گردشوں، دردناک غموں، خطرناک آفتوں، شدید تکلیفوں اور قلب وجگر کو ہلا دینے والی مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت۔

اَیُّھَا الْقَوْمُ! اِنَّ اللّٰہَ وَ لَہُ الْحَمْدُ ابْتَلَانَا بِمَصَائِبَ جَلِیلَۃٍ وَ ثُلْمَۃٍ فِی الْاِسْلَامِ عَظِیمَۃٍ قُتِلَ اَبُو عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنُ ع وَ عِتْرَتُہُ وَ سُبِیَ نِسَاؤُہٗ وَ صِبْیَتُہُ وَ دَارُوا بِرَأْسِہٖ فِی الْبُلْدَانِ مِنْ فَوْقِ عَامِلِ السِّنَانِ وَ ھٰذِہِ الرَّزِیَّۃُ الَّتِی لَیْسَ مِثْلُھَا رَزِیَّۃٌ۔

اے لوگو! صرف خدا کیلئے حمد ہے، ہم بڑے بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے، دیوار اسلام میں بہت بڑا رخنہ (شگاف) پڑ گیا، حضرت ابوعبداللہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت شہید کر دیئے گئے، ان کی عورتیں اور بچے قید کر دیئے گئے اور (لشکر یزید نے) ان کے سرہائے مبارک کو بلند نیزوں پر رکھ کر شہروں میں پھرایا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں۔

اَیُّھَا النَّاسُ! فَاَیُّ رِجَالَاتٍ مِنْکُمْ یُسَرُّونَ بَعْدَ قَتْلِہٖ اَمْ اَیُّ فُؤَادٍ لَا

يَحْزُنُ مِنْ اَجْلِهٖ اَمْ اَيَّةُ عَيْنٍ مِنْكُمْ تَحْبِسُ دَمْعَهَا وَ تَضَنُّ عَنِ انْهِمَالِهَا فَلَقَدْ بَكَتِ السَّبْعُ الشِّدَادُ لِقَتْلِهٖ وَ بَكَتِ الْبِحَارُ بِاَمْوَاجِهَا وَ السَّمٰوٰتُ بِاَرْكَانِهَا وَ الْاَرْضُ بِاَرْجَائِهَا وَ الْاَشْجَارُ بِاَغْصَانِهَا وَ الْحِيتَانُ وَ لُجَجُ الْبِحَارِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَ اَهْلُ السَّمَاوَاتِ اَجْمَعُونَ۔

اے لوگو! تم میں سے کون مرد ہے جو شہادت حسینؑ کے بعد خوش رہے یا کون سا دل ہے جو شہادت حسینؑ سے غمگین نہ ہو یا کونسی آنکھ ہے جو آنسوؤں کو ضبط کر سکے، مضبوط بنیادوں پر استوار سات آسمان ان کی شہادت پر روئے، سمندر اپنی امواج کے ساتھ اور آسمانوں اپنے ستونوں کے ساتھ اور زمین چاروں طرف سے، درختوں کی ٹہنیاں، مچھلیاں اور سمندروں کی لہریں اور مقرب فرشتے اور آسمانوں کے باشندے ان پر روئے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اَيُّ قَلْبٍ لَا يَنْصَدِعُ لِقَتْلِهٖ اَمْ اَيُّ فُؤَادٍ لَا يَحِنُّ اِلَيْهِ اَمْ اَيُّ سَمْعٍ يَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِي ثُلِمَتْ فِي الْاِسْلَامِ وَ لَا يَصُمُّ۔

اے لوگو! کون سا دل ہے جو شہادت امام حسینؑ کی خبر سن کر نہ پھٹ جائے، کونسا قلب ہے جو محزون نہ ہو، کونسا کان ہے جو اس مصیبت کو سن کر جس سے دیوار اسلام میں رخنہ پڑا، بہرہ نہ ہو۔

اَيُّهَا النَّاسُ! اَصْبَحْنَا مَطْرُودِينَ مُشَرَّدِينَ مَذُودِينَ وَ شَاسِعِينَ عَنِ الْاَمْصَارِ كَاَنَّا اَوْلَادُ تُرْكٍ وَ كَابُلَ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ اجْتَرَمْنَاهُ وَ لَا مَكْرُوهٍ ارْتَكَبْنَاهُ وَ لَا ثُلْمَةٍ فِي الْاِسْلَامِ ثَلَمْنَاهَا ما سَمِعْنا بِهذا فِي آبائِنَا الْاَوَّلِينَ اِنْ هذا اِلَّا اخْتِلاقٌ۔

اے لوگو! ہماری یہ حالت تھی کہ ہم کشاں کشاں پھرائے جاتے تھے، دربدر ٹھکرائے جاتے تھے ذلیل کئے گئے شہروں سے دور تھے، گویا ہم کو اولاد ترک

وکابل سمجھ لیا گیا تھا، حالانکہ نہ ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ کسی برائی کا ارتکاب کیا تھا نہ دیوار اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا اور نہ ان چیزوں کے خلاف کیا تھا جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا تھا۔

وَ اللهِ! لَوْ اَنَّ النَّبِیَّ تَقَدَّمَ اِلَیْھِمْ فِی قِتَالِنَا کَمَا تَقَدَّمَ اِلَیْھِمْ فِی الْوِصَایَةِ بِنَا لَمَا زَادُوا عَلٰی مَا فَعَلُوا بِنَا فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ مِنْ مُصِیْبَةٍ مَا اَعْظَمَهَا وَ اَوْجَعَهَا وَ اَفْجَعَهَا وَ اَکَظَّهَا وَ اَفْظَعَهَا وَ اَمَرَّهَا وَ اَفْدَحَهَا فَعِنْدَ اللهِ نَحْتَسِبُ فِیْمَا اَصَابَنَا وَ مَا بَلَغَ بِنَا فَاِنَّهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔

خدا کی قسم! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان لوگوں (لشکر یزید) کو ہم سے جنگ کرنے کیلئے منع کرتے (تو یہ نہ مانتے) جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری ولایت کا اعلان کیا (اور ان لوگوں نے نہیں مانا) بلکہ جتنا انہوں نے کیا ہے اس سے زیادہ سلوک کرتے۔ اس عظیم، انتہائی تکلیف دہ، کھا جانے والی، دردناک ترین، انتہائی ناگوار اور تڑپا دینے والی مصیبت پر ہمارے لبوں پر یہ الفاظ ہیں کہ ہم خدا کیلئے ہیں اور خدا کی طرف ہماری بازگشت ہے۔ ہم ان تمام مصائب کو پروردگار کا امتحان قرار دیتے ہیں اور وہ بڑا زبردست اور خوب انتقام لینے والا ہے۔[1]

روضہ رسولؐ پر امام علیہ السلام کی آہ و بکا

کتب مقتل کے مطابق جب یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا گریہ و بکا کرتی ہوئی مسجد نبوی میں داخل ہوئیں اور عرض کی: اے نانا! آپؐ پر میرا اسلام ہو، انی ناعیۃ الیک ولدک الحسین" میں آپ کو آپ کے فرزند حسین کی خبر شہادت سناتی ہوں، یہ کہنا تھا کہ قبر رسول سے گریہ کی صدا بلند ہوئی اور تمام لوگ رونے لگے پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے نانا کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور اپنے رخسار قبر مطہر سے رگڑتے ہوئے یوں فریاد کرنے لگے:

---

[1] اللہوف، ص ۲۰۰۔ ۲۰۲۔

أُنَاجِيْكَ يَا جَدَّاهُ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ
حَبِيْبُكَ مَقْتُوْلٌ وَ نَسْلُكَ ضَآئِعٌ

میں آپؐ سے فریاد کرتا ہوں اے نانا! اے تمام رسولوں میں سب سے بہتر! آپ کا محبوب "امام حسینؑ" شہید کر دیا گیا اور آپؐ کی نسل تباہ و برباد کر دی گئی۔

أُنَاجِيْكَ مَحْزُوْنًا عَلَيْكَ مُؤَجَّلًا
اَسِيْرًا وَ مَالِيْ حَامِيًا وَ مُدافِعٌ

اے نانا! میں رنج و غم کا مارا آپؐ سے فریاد کرتا ہوں مجھے قید کیا گیا، میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔

سُبِيْنَا كَمَا تُسْبَى الْاِمَآءُ وَ مَسَّنَا
مِنَ الضُّرِّ مَا لَا تَحْتَمِلُهُ الْاَضَآئِعُ

اے نانا! ہم سب کو اس طرح قید کیا گیا، جس طرح (لاوارث) کنیزوں کو قید کیا جاتا ہے، اے نانا! ہم پر وہ مصائب ڈھائے گئے جن کی تاب مضبوط ہڈیاں بھی نہیں لاسکتیں۔[1]

✲✲✲✲✲

---

[1] مقتل المقرم، ص ۲۵۰۔

اخلاقِ اہل بیتؑ

قسط:23

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

اس باب میں نو (9) فصلیں ہیں:

۱۔ایثار	۲۔تواضع	۳۔عفوودرگزر
۴۔اندازِ عبادت	۵۔طرزِ معاش	۶۔صبرورضا
۷۔اندازِ عطا	۸۔نوکروں سے سلوک	۹۔جامع اخلاقِ طیبہ

۱۔ایثار:

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝﴾۔

''یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ''۔[1]

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾۔

''اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں''۔[2]

---

[1] سورۂ انسان، آیت ۸و۹۔

[2] سورۂ حشر، آیت ۹۔

[1] اِبْنُ عَبَّاسٍ: اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ مَرِضَا. فَعَادَهُمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فِيْ نَاسٍ مَّعَهٗ. فَقَالُوْا: يَآ اَبَا الْحَسَنِ! لَوْ نَذَرْتَ عَلٰى وَلَدِكَ. فَنَذَرَ عَلِيٌّ وَّ فَاطِمَةُ وَ فِضَّةُ. جَارِيَةٌ لَّهُمَا. اِنْ بَرِئَا مِمَّا بِهِمَا اَنْ يَّصُوْمُوْا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ. فَشُفِيَا وَ مَا مَعَهُمْ شَيْءٌ. فَاسْتَقْرَضَ عَلِيٌّ مِّنْ شَمْعُوْنَ الْخَيْبَرِيِّ الْيَهُوْدِيِّ ثَلَاثَ اَصْوُعٍ مِّنْ شَعِيْرٍ. فَطَحَنَتْ فَاطِمَةُ صَاعًا وَّ اخْتَبَزَتْ خَمْسَةَ اَقْرَاصٍ عَلٰى عَدَدِهِمْ. فَوَضَعُوْهَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ لِيُفْطِرُوْا. فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ سَآئِلٌ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ بَيْتِ مُحَمَّدٍ! مِسْكِيْنٌ مِّنْ مَّسَاكِيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ. اَطْعِمُوْنِيْ اَطْعَمَكُمُ اللهُ مِنْ مَّوَآئِدِ الْجَنَّةِ. فَاٰثَرُوْهُ. وَ بَاتُوْا لَمْ يَذُوْقُوْآ اِلَّا الْمَآءَ. وَ اَصْبَحُوْا صِيَامًا. فَلَمَّا اَمْسَوْا وَ وَضَعُوْا الطَّعَامَ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَقَفَ عَلَيْهِمْ يَتِيْمٌ. فَاٰثَرُوْهُ. وَ وَقَفَ عَلَيْهِمْ اَسِيْرٌ فِي الثَّالِثَةِ. فَفَعَلُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ. فَلَمَّا اَصْبَحُوْآ اَخَذَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَ اَقْبَلُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. فَلَمَّا اَبْصَرَهُمْ وَ هُمْ يَرْتَعِشُوْنَ كَالْفِرَاخِ مِنْ شِدَّةِ الْجُوْعِ قَالَ: مَا اَشَدَّ مَا يَسُوْؤُنِيْ مَآ اَرٰى بِكُمْ؟ وَ قَامَ فَانْطَلَقَ مَعَهُمْ فَرَاٰى فَاطِمَةَ فِيْ مِحْرَابِهَا قَدِ الْتَصَقَ ظَهْرُهَا بِبَطْنِهَا وَ غَارَتْ عَيْنَاهَا. فَسَآئَهٗ ذٰلِكَ. فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ وَ قَالَ: خُذْهَا يَا مُحَمَّدُ هَنَّاَكَ اللهُ فِيْٓ اَهْلِ بَيْتِكَ. فَاَقْرَاَهُ السُّوْرَةَ۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں: حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام بیمار ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اصحاب کے ساتھ شہزادوں کی عیادت کیلئے تشریف لائے اور فرمایا: یا اباالحسنؑ! اگر آپؑ اپنے بچوں (کی شفایابی) کیلئے کوئی نذر کر لیتے؟ یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور بی بی فضہ (کنیز خانہ) سب نے نذر کر لی کہ اگر بچے صحتیاب ہوگئے تو تین دن روزہ رکھیں گے۔ خدا کے فضل سے بچے صحتیاب ہوگئے لیکن گھر میں روزہ کیلئے کوئی سامان نہ تھا تو حضرت علیؑ خیبر کے شمعون یہودی کے یہاں سے تین صاع (تقریباً نو سیر) جو قرض لے آئے اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ایک صاع پیس کر ۵ روٹیاں تیار کیں۔ ابھی افطار کیلئے بیٹھے ہی تھے کہ ایک سائل نے آواز دی: اے اہلِ بیت محمدؑ! تم پر میرا اسلام، میں مسلمانوں کے مساکین میں سے ایک مسکین ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ، خدا تمہیں دسترخوان جنت سے سیر کرے گا۔ یہ سن کر سب نے ایثار سے کام لیتے ہوئے روٹیاں اس کے حوالے کردیں اور پانی سے افطار کرلیا۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور اسی طرح افطار کیلئے بیٹھے تو ایک سائل نے سوال کرلیا اور

روٹیاں اس کے حوالے کردیں، تیسرے دن پھر یہی صورت حال پیش آئی۔ اب جو چوتھے دن حضرت علی علیہ السلام بچوں کو لئے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے دیکھا کہ شہزادے بھوک کی شدت سے چڑیا کے بچے کی مانند کانپ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ کو سخت تکلیف ہوئی اور بچوں کو لے کر خانۂ فاطمہؑ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا محراب عبادت میں ہیں، لیکن فاقوں کی شدت سے شکم مبارک پیٹھ سے مل گیا ہے اور آنکھیں اندر کی طرف چلی گئی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپؐ کو مزید تکلیف ہوئی کہ جبریل امینؑ آگئے اور آپؐ کو سورۂ دہر (سورۂ انسان) دیتے ہوئے کہا کہ یا محمدؐ! مبارک ہو، پروردگار عالم نے آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام کیلئے یہ تحفہ نازل فرمایا ہے۔[1]

[2] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : كَانَ عِنْدَ فَاطِمَةَ شَعِيْرٌ فَجَعَلُوْهُ عَصِيْدَةً. فَلَمَّآ اَنْضَجُوْهَا وَ وَضَعُوْهَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ. جَآءَ مِسْكِيْنٌ. فَقَالَ الْمِسْكِيْنُ: رَحِمَكُمُ اللهُ. فَقَامَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَعْطَاهُ ثُلُثَهَا. فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَآءَ يَتِيْمٌ فَقَالَ الْيَتِيْمُ : رَحِمَكُمُ اللهُ. فَقَامَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَعْطَاهُ الثُّلُثَ. ثُمَّ جَآءَ اَسِيْرٌ فَقَالَ الْاَسِيْرُ: رَحِمَكُمُ اللهُ. فَاَعْطَاهُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الثُّلُثَ الْبَاقِيَ وَمَا ذَاقُوْهَا. فَاَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ الْاٰيَاتِ فِيْهِمْ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس کچھ جَو تھے جن کا آپؑ نے حلوہ تیار کیا اور جب سب گھر والے کھانے کیلئے بیٹھے تو ایک مسکین آگیا اور اس نے کہا کہ خدا آپ حضراتؑ پر رحمت نازل کرے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایک تہائی حلوہ اس کے حوالہ کردیا، چند لمحوں میں ایک یتیم آگیا اور آپؑ نے ایک تہائی اس کے حوالے کردیا اس کے بعد ایک اسیر آگیا اور باقی ماندہ اس کے حوالے کردیا اور خود کچھ نہیں کھایا تو پروردگار نے ان کی شان میں یہ آیات نازل کردیں۔[2]

---

[1] الکشاف، ج ۴، ص ۱۶۹۔ کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۳۰۲۔

[2] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۶۱۲۔ تفسیر القمی، ج ۲، ص ۳۹۸۔

نوٹ: اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ دہر کے نزول کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کا مستقل طریقہ رہا ہے کہ یتیم ومسکین واسیر کو اپنے نفس پر مقدم کرتے رہے ہیں اور جب بھی یہ عمل انجام دیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیات دہر کی تلاوت فرمائی ہے نہ یہ کہ سورہ بار بار نازل ہوتا رہا ہے۔ (ذیشان جوادی)

[3] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ـ فِيْ بَيَانِ سَبَبِ نُزُوْلِ سُوْرَةِ ﴿هَلْ اَتٰى﴾ فِيْ شَاْنِ اَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ـ: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ يَقُوْلُ: عَلٰى شَهْوَتِهِمْ لِلطَّعَامِ وَ اِيْثَارِهِمْ لَهٗ. مِسْكِيْنًا مِّنْ مَّسَاكِيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ. وَ يَتِيْمًا مِّنْ يَّتَامَى الْمُسْلِمِيْنَ. وَ اَسِيْرًا مِّنْ اُسَارَى الْمُشْرِكِيْنَ. وَ يَقُوْلُوْنَ اِذَآ اَطْعَمُوْهُمْ: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا. قَالَ: وَ اللهِ! مَا قَالُوْا هٰذَا لَهُمْ. وَ لٰكِنَّهُمْ اَضْمَرُوْهُ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَخْبَرَ اللهُ بِاِضْمَارِهِمْ. يَقُوْلُوْنَ: لَا نُرِيْدُ جَزَآءً تُكَافِئُوْنَنَا بِهٖ وَ لَا شُكُوْرًا تُثْنُوْنَ عَلَيْنَا بِهٖ. وَ لٰكِنَّآ اِنَّمَآ اَطْعَمْنَاكُمْ لِوَجْهِ اللهِ وَ طَلَبِ ثَوَابِهٖ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سورۂ دہر کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا: آیہ مجیدہ کے جملے ’’یہ اس کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں‘‘ سے مراد یہ ہے کہ انہیں خود بھی کھانے کی شدید ضرورت تھی لیکن اس کے باوجود ایثار سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنا کھانا مسکین و یتیم جو کہ دونوں مسلمان تھے اور مشرک اسیر کو دے دیا اور دیتے وقت یہ فرمایا: ’’یاد رکھو کہ ہم صرف رضائے الٰہی کیلئے کھلاتے ہیں، نہ اس کی کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ‘‘۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کی قسم! یہ قولِ اہلبیت علیہم السلام نہیں ہے اور نہ ان کی زبان پر ایسے الفاظ آئے ہیں، یہ دراصل ان کے دل کی آواز تھی جسے پروردگار نے اپنے کلام میں الفاظ کا روپ دے دیا اور ان کے ارادوں کی ترجمانی کردی ہے کہ یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: نہ ہم تم سے کسی قسم کی جزا چاہتے ہیں کہ وہ ہماری نیکی کا بدلہ بن جائے اور نہ ہمیں تم سے کسی شکریہ کی توقع ہے جس کے ذریعے تم ہماری تعریف کرو، ہم نے تو محض رضائے الٰہی کیلئے تمہیں کھلایا ہے اور پروردگار عالم سے ثواب ہی کے طلبگار ہیں۔[1]

[4] اِبْنُ عَبَّاسٍ: اِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَجَّرَ نَفْسَهٗ لِيَسْتَقِيَ نَخْلًا بِشَيْءٍ مِّنْ شَعِيْرٍ لَيْلَةً حَتّٰى اَصْبَحَ. فَلَمَّآ اَصْبَحَ وَ قَبَضَ الشَّعِيْرَ طَحَنَ ثُلُثَهٗ فَجَعَلُوْا مِنْهُ شَيْئًا لِيَاْكُلُوْهُ يُقَالُ لَهُ الْحَرِيْرَةُ. فَلَمَّا تَمَّ اِنْضَاجُهٗ اَتٰى مِسْكِيْنٌ فَاَخْرَجُوْا اِلَيْهِ الطَّعَامَ. ثُمَّ عَمِلَ الثُّلُثَ الثَّانِيَ. فَلَمَّا تَمَّ اِنْضَاجُهٗ اَتٰى يَتِيْمٌ فَسَئَلَ فَاَطْعَمُوْهُ. ثُمَّ عَمِلَ الثُّلُثَ الثَّالِثَ. فَلَمَّا تَمَّ

[1] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۲۱۵۔

اِنْضَاجُهُ اَتٰى اَسِيْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسَئَلَ فَاَطْعَمُوْهُ وَطَوَوْا يَوْمَهُمْ ذٰلِكَ۔

جناب ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے ایک رات کچھ جَو کے عوض صبح تک باغ کی سینچائی کا کام انجام دیا۔ صبح کے وقت جب وہ جَو آپؑ کو ملے (تو انہیں گھر لے آئے) جس کا ایک تہائی پیسا گیا اور ''حریرہ'' نام کی غذا تیار ہوئی کہ ایک مسکین نے آکر سوال کر دیا اور سب نے اٹھا کر اس کے حوالے کر دیا، پھر دوسری تہائی کا حریرہ تیار کیا گیا اور اس کا یتیم نے سوال کر لیا اور اسے بھی دے دیا، پھر تیسری تہائی کا تیار کیا اور اس کا اسیر نے سوال کر لیا تو اسے بھی اس کے حوالے کر دیا اور بھوک ہی کے عالم میں سارا دن گزار دیا۔[1]

[5] اِبْنُ عَبَّاسٍ۔ فِيْ قَوْلِ اللهِ: ﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾: نَزَلَتْ فِيْ عَلِيٍّ وَّ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

جناب ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: آیہ مجیدہ ﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ حضرت علی علیہ السلام و جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[2]

[6] اَبُوْ هُرَيْرَةَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَشَكَا اِلَيْهِ الْجُوْعَ. فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ. فَقُلْنَ: مَا عِنْدَنَآ اِلَّا الْمَآءُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: مَنْ لِهٰذَا الرَّجُلِ اللَّيْلَةَ؟ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَنَا لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ!. وَ اَتٰى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَقَالَ: مَا عِنْدَكِ يَا ابْنَةَ رَسُوْلِ اللهِ؟ فَقَالَتْ: مَا عِنْدَنَآ اِلَّا قُوْتُ الصِّبْيَةِ لٰكِنَّا نُؤْثِرُ ضَيْفَنَا. فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا ابْنَةَ مُحَمَّدٍ! نَوِّمِي الصِّبْيَةَ وَ اَطْفِئِي الْمِصْبَاحَ. فَلَمَّا اَصْبَحَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَاَخْبَرَهُ الْخَبَرَ. فَلَمْ يَبْرَحْ حَتّٰى اَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾۔

---

[1] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۶۱۲۔ (نوٹ:) بظاہر یہ بھی سورۂ دہر کی ایک تطبیق ہے ورنہ تنزیل کی روایت ابن عباس ہی کی زبان سے اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ (ذیشان جوادی)

[2] شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۳۳۲، حدیث ۹۷۳۔

ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ: ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بھوک کی شکایت کی۔ آپؐ نے ازواج کے گھر دریافت کرایا، سب نے کہہ دیا کہ یہاں پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو فرمایا: کوئی ہے جو آج رات اسے سیر کرے؟ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: میں حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر آپؑ خانۂ زہراؑ میں آئے اور فرمایا: دختر پیغمبر! آج گھر میں کیا ہے؟ فرمایا: بچوں کا کھانا ہے اور کچھ نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی ہم مہمان پر ایثار کریں گے۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام نے جناب زہرا سلام اللہ علیہا فرمایا: بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھادو۔ (چنانچہ سارا کھانا اس سائل کو کھلا دیا گیا۔) صبح کو حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا قصہ بیان کیا تو فوراً آیہ مجیدہ ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ نازل ہوگئی۔[1]

[7] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ جَالِسٌ ذَاتَ يَوْمٍ وَّ اَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ حَوْلَهٗ. فَجَآءَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ عَلَيْهِ سَمَلُ ثَوْبٍ مُّنْخَرِقٍ عَنْ بَعْضِ جَسَدِهٖ. فَجَلَسَ قَرِيْبًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. فَنَظَرَ اِلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ قَرَاَ: ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَمَا اِنَّكَ رَأْسُ الَّذِيْنَ نَزَلَتْ فِيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَ سَيِّدُهُمْ وَ اِمَامُهُمْ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لِعَلِيٍّ: اَيْنَ حُلَّتُكَ الَّتِيْ كَسَوْتُكَهَا يَا عَلِيُّ؟ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِكَ اَتَانِيْ يَشْكُوْ عُرْيَهٗ وَ عُرْيَ اَهْلِ بَيْتِهٖ. فَرَحِمْتُهٗ وَ اٰثَرْتُهٗ بِهَا عَلٰى نَفْسِيْ. وَ عَرَفْتُ اَنَّ اللهَ سَيَكْسُوْنِيْ خَيْرًا مِّنْهَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: صَدَقْتَ. اَمَا اِنَّ جَبْرَائِيْلَ قَدْ اَتَانِيْ يُحَدِّثُنِيْ اِنَّ اللهَ (قَدْ) اتَّخَذَ لَكَ مَكَانَهَا فِي الْجَنَّةِ حُلَّةً خَضْرَآءَ مِنِ اسْتَبْرَقٍ. وَ صِبْغَتُهَا مِنْ يَاقُوْتٍ وَّ زَبَرْجَدٍ. فَنِعْمَ الْجَوَازُ جَوَازُ رَبِّكَ بِسَخَاوَةِ نَفْسِكَ. وَ صَبْرِكَ عَلٰى سَمَلَتِكَ هٰذِهِ الْمُنْخَرِقَةِ. فَاَبْشِرْ يَا عَلِيُّ!. فَانْصَرَفَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرِحًا مُّسْتَبْشِرًا بِمَآ اَخْبَرَهٗ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ۔

---

[1] امالی شیخ طوسیؒ، ص ۱۸۵، حدیث ۳۰۹۔ تاویل الآیات الظاہرۃ، ص ۶۵۳۔ شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۳۳۱، حدیث ۹۷۲۔ مناقب ابن شہرآشوب، ج ۲، ص ۷۴۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرماتے تھے اور آپؐ کے گرد اصحاب کا حلقہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام ایک بوسیدہ چادر اوڑھ کر تشریف لائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے۔ آپؐ نے تھوڑی دیر ان کے چہرہ پر نگاہ کی اور اس کے بعد آیت ایثار کی تلاوت کر کے فرمایا کہ یا علیؑ: تم ان ایثار کرنے والوں کے رئیس، امام اور سردار ہو۔ اس کے بعد فرمایا: وہ لباس کہاں گیا جو میں نے تمہیں عطا کیا تھا؟ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: (یا رسول اللہؐ!) آپ کا ایک ضرورتمند صحابی آ گیا اور اس نے برہنگی کا شکوہ کیا تو میں نے اس پر رحم کھا کر ایثار کیا اور وہ لباس اس کے حوالے کر دیا اور مجھے یقین تھا کہ پروردگار عالم مجھے اس سے بہتر عنایت فرمائے گا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، ابھی جبریل امینؑ نے یہ خبر دی ہے کہ پروردگار نے تمہارے لئے جنت میں ایک ریشم کا لباس تیار کرایا ہے جس پر یاقوت اور زمرد کا رنگ چڑھا ہوا ہے اور یہ تمہاری سخاوت کا بہترین صلہ ہے جو تمہارے پروردگار نے دیا ہے کہ تم نے اس پرانی چادر پر قناعت کی ہے اور بہترین لباس سائل کے حوالے کر دیا ہے۔ یا علیؑ! تمہیں یہ تحفۂ جنت مبارک ہو۔ یہ بشارت سن کر حضرت علی علیہ السلام خوش وخرم ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے۔[1]

[8] اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الثَّعْلَبِيُّ الْمُفَسِّرُ: رَاَيْتُ فِيْ بَعْضِ الْكُتُبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لَمَّا اَرَادَ الْهِجْرَةَ خَلَّفَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ بِمَكَّةَ لِقَضَآءِ دُيُوْنِهٖ وَ رَدِّ الْوَدَآئِعِ الَّتِيْ كَانَتْ عِنْدَهٗ. وَ اَمَرَهٗ لَيْلَةَ خَرَجَ اِلَى الْغَارِ - وَ قَدْ اَحَاطَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالدَّارِ - اَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ. وَ قَالَ لَهٗ: اِتَّشِحْ بِبُرْدِيَ الْحَضْرَمِيِّ الْاَخْضَرِ. فَاِنَّهٗ لَا يَخْلُصُ اِلَيْكَ مِنْهُمْ مَكْرُوْهٌ اِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالٰى فَفَعَلَ ذٰلِكَ. فَاَوْحَى اللهُ اِلٰى جَبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اِنِّيْٓ اٰخَيْتُ بَيْنَكُمَا. وَ جَعَلْتُ عُمُرَ اَحَدِكُمَا اَطْوَلَ مِنْ عُمُرِ الْاٰخَرِ. فَاَيُّكُمَا يُؤْثِرُ صَاحِبَهٗ بِالْحَيَاةِ؟ فَاخْتَارَا كِلَاهُمَا الْحَيَاةَ. فَاَوْحَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَيْهِمَا: اَفَلَا كُنْتُمَا مِثْلَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ؟! اٰخَيْتُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ نَبِيِّيْ مُحَمَّدٍ. فَبَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ يَفْدِيْهِ بِنَفْسِهٖ وَ يُؤْثِرُهٗ بِالْحَيَاةِ؟! اِهْبِطَا اِلَى الْاَرْضِ فَاحْفَظَاهُ مِنْ عَدُوِّهٖ. فَنَزَلَا. فَكَانَ جَبْرَئِيْلُ عِنْدَ رَاْسِ عَلِيٍّ. وَ مِيْكَائِيْلُ عِنْدَ

[1] تاویل الآیات الظاہرۃ، ص ۶۵۵۔

رِجْلَيْهِ. وَ جَبْرَئِيْلُ يُنَادِيْ: بَخٍ بَخٍ! مَنْ مِثْلُكَ يَا بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يُبَاهِيْ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِ الْمَلٰٓئِكَةَ ؟! فَاَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ هُوَ مُتَوَجِّهٌ اِلَى الْمَدِيْنَةِ. فِيْ شَاْنِ عَلِيٍّ. : ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝﴾[1] ۔

مفسر قرآن احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ:
جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام کو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور آپؐ کے پاس رکھوائی گئی لوگوں کی امانتیں لوٹانے کیلئے مکہ میں چھوڑ دیا۔ آپؐ نے اس عالم میں کہ جب سارا گھر مشرکین سے گھرا ہوا تھا اور آپؐ غار ثور کی طرف روانہ ہو رہے تھے، حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو، انشاء اللہ پروردگار تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ آپؑ نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اُدھر پروردگار عالم نے جبریلؑ و میکائیلؑ سے کہا کہ: میں نے تم دونوں کے درمیان برادری کا رشتہ قائم کر دیا ہے اور ایک کی عمر کو دوسرے سے زیادہ کر دیا ہے اب بتاؤ کون اپنی زیادہ عمر کو اپنے بھائی پر قربان کر سکتا ہے؟ اس پر دونوں نے زندہ رہنے کو پسند کیا تو پروردگار نے فرمایا: تم لوگ علی علیہ السلام جیسے کیوں نہیں ہو جاتے ہو، دیکھو! میں نے ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان برادری قائم کر دی تو وہ کس طرح ان کے بستر پر لیٹ کر اپنی جان قربان کر رہے ہیں اور ان کا تحفظ کر رہے ہیں۔ اچھا اب تم دونوں جاؤ اور علی علیہ السلام کی حفاظت کرو۔ چنانچہ دونوں فرشتے نازل ہوئے، جبریلؑ سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل پائینتی اور دونوں نے کہنا شروع کیا: مبارک ہو، مبارک ہو، ابوطالب کے فرزند! تمہارا مثل کون ہو سکتا ہے کہ خدا تمہارے ذریعہ ملائکہ پر مباہات کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ راہِ مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیہ مجیدہ نازل کر دی جس میں ارشاد ہے: ''اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کیلئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے''۔[2]

---

[1] سورۂ بقرۃ، آیت ۲۰۷۔

[2] أسد الغابۃ، ج ۴، ص ۹۸۔ العمدۃ، ص ۲۳۹، حدیث ۳۶۷۔ تذکرۃ الخواص، ص ۳۵۔ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ارشاد القلوب، ص ۲۲۴۔ ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۲۷۴، حدیث ۳۔ الصراط المستقیم، ج ۱، ص ۱۷۴۔ تنبیہ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۳۔

۲۔ تواضع:

[1] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: لَقَدْ هَبَطَ عَلَيَّ مَلَكٌ مِنَ السَّمَآءِ مَا هَبَطَ عَلٰی نَبِيٍّ قَبْلِيْ، وَ لَا يَهْبِطُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ، وَ هُوَ اِسْرَافِيْلُ وَ عِنْدَهٗ جِبْرِيْلُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! ثُمَّ قَالَ: اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ اِلَيْكَ، اَمَرَنِيْ اَنْ اُخْبِرَكَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا، وَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا؟ فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرِيْلَ، فَاَوْمَاَ جِبْرِيْلُ اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعْ، فَقُلْتُ: نَبِيًّا عَبْدًا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: میرے پاس آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو اس سے پہلے کسی نبی کے پاس نہیں آیا تھا اور نہ اس کے بعد آنے والا ہے اور اس کا نام اسرافیلؑ ہے۔ اس نے آکر مجھے سلام کیا اور کہا کہ میں پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ چاہے پیغمبر بندگی بن کر رہیں یا ملوکانہ زندگی گزاریں تو میں نے جبریلؑ کی طرف نظر کی اور انہوں نے تواضع کی طرف اشارہ کیا تو میں نے اس اشارۂ الوہیت کی بنیاد پر بندگیٔ پروردگار کی زندگی کو ملوکانہ آن بان پر مقدم رکھا۔[1]

[2] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَ لَقَدْ اَتَاهُ جَبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُخَيِّرُهٗ، مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَهُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی مِمَّآ اَعَدَّ اللهُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَيْئًا، فَيَخْتَارُ التَّوَاضُعَ لِرَبِّهٖ جَلَّ وَعَزَّ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل امینؑ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لے کر تین مرتبہ حاضر ہوئے اور آپؐ کو خزانوں کا اختیار پیش کیا بغیر اس کے کہ اجر آخرت میں کسی طرح کی کمی واقع ہو، لیکن آپؐ نے تواضع اور انکساری کو مقدم رکھا۔[2]

[3] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ جَبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتٰی رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَخَيَّرَهٗ، وَ اَشَارَ عَلَيْهِ بِالتَّوَاضُعِ، وَ كَانَ لَهٗ نَاصِحًا، فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ يَاْكُلُ اَكْلَةَ الْعَبْدِ، وَ يَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ، تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی۔

---

[1] معجم الکبیر، ج ۱۲، ص ۲۶۷، حدیث ۱۳۳۰۹۔

[2] الکافی، ج ۸، ص ۱۳۰، حدیث ۱۰۰۔ امالی شیخ طوسی، ص ۶۹۲، ص ۱۴۷۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب جبریل امینؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو سارا اختیار دے دیا اور ساتھ میں تواضع کی جانب اشارہ کیا کیونکہ وہ آپؐ کے خیر خواہ تھے۔ (چنانچہ آپؐ نے تواضع کو پسند فرمایا۔) اسی بنیاد پر آپؐ بارگاہ الٰہی میں تواضع کے اظہار کیلئے ہمیشہ غلاموں کی طرح (زمین پر بیٹھ کر) کھانا کھاتے اور غلاموں کے انداز سے ہی بیٹھنا پسند فرماتے تھے۔[1]

[4] حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: كَانَتْ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ خِصَالٌ لَيْسَتْ فِي الْجَبَّارِيْنَ. كَانَ لَا يَدْعُوْهُ اَحْمَرُ وَ لَآ اَسْوَدُ مِنَ النَّاسِ اِلَّا اَجَابَهٗ. وَ كَانَ رُبَّمَا وَجَدَ تَمْرَةً مُلْقَاةً فَيَأْخُذُهَا فَيُهْوِيْ بِهَا اِلٰى فِيْهِ. وَ اِنَّهٗ لَيَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ. وَ كَانَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ عُرْيًا لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ۔

حمزہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ خصلتیں پائی جاتی تھیں جن کا دنیا کے جابر حکمرانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو جو بھی سیاہ و سرخ آدمی مدعو کر لیتا تھا اس کی دعوت قبول کر لیتے تھے اور بعض اوقات راستہ میں خرما پڑا دیکھ لیتے تھے تو اسے اٹھا لیتے تھے اور اسے کھانے کیلئے منہ کے قریب لے جاتے مگر اس بات سے خوفزدہ ہو کر کہ کہیں صدقہ کا نہ ہو (کھانے سے اجتناب فرماتے)، آپ گدھے پر بغیر زین کے سواری فرماتے۔[2]

[5] يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَسِيْطٍ: كَانَ اَهْلُ الصُّفَّةِ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لَا مَنَازِلَ لَهُمْ. فَكَانُوْا يَنَامُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فِي الْمَسْجِدِ وَ يَظَلُّوْنَ فِيْهِ مَا لَهُم مَأْوًى غَيْرُهٗ. فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ يَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ بِاللَّيْلِ اِذَا تَعَشّٰى فَيُفَرِّقُهُمْ عَلٰى اَصْحَابِهٖ. وَ تَتَعَشّٰى طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. حَتّٰى جَآءَ اللهُ تَعَالٰى بِالْغِنٰى۔

یزید بن عبداللہ بن قسیط روایت کرتے ہیں: اصحاب صفہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اصحاب تھے جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور مسجد ہی میں رہا کرتے تھے اور وہیں آرام کیا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] الکافی، ج ۸، ص ۱۳۱، ص ۱۰۱۔

[2] الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۷۰۔

رات کے وقت انہیں بلا کر اصحاب کے گھر بھیج دیا کرتے تھے تا کہ ان کے یہاں جا کر کھانا کھالیں اور بہت سے افراد کو خود اپنے ساتھ شریک طعام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ پروردگار نے مسلمانوں کو آسودہ حال کر دیا۔[1]

[6] اَبُوْ ذَرٍّ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَصْحَابِهٖ. فَيَجِيْٓءُ الْغَرِيْبُ فَلَا يَدْرِيْ اَيُّهُمْ هُوَ حَتّٰى يَسْئَلَ. فَطَلَبْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اَنْ نَّجْعَلَ لَهٗ مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيْبُ اِذَا اَتَاهُ. فَبَنَيْنَا لَهٗ دُكَّانًا مِّنْ طِيْنٍ. كَانَ يَجْلِسُ عَلَيْهِ۔

جناب ابوذرؓ کی روایت ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے سامنے اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ باہر سے آنے والا انہیں سمجھ پاتا تھا کہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم لوگوں نے حضورؐ سے اجازت لے کر مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا کہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔[2]

[7] اَبُوْ مَسْعُوْدٍ: اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ رَجُلٌ فَكَلَّمَهٗ. فَجَعَلَ تَرْعَدُ فَرَائِصُهٗ. فَقَالَ لَهٗ: هَوِّنْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ لَسْتُ بِمَلِكٍ. اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَاَةٍ تَاْكُلُ الْقَدِيْدَ۔

ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آپؐ سے گفتگو شروع کی تو اس کے جوڑ بند کانپنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: پریشان نہ ہوں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں اس خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کے ٹکڑوں پر گزارا کیا کرتی تھیں۔[3]

[8] مُطَرِّفٌ: قَالَ اَبِيْ: اِنْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. فَقُلْنَا: اَنْتَ سَيِّدُنَا. فَقَالَ: السَّيِّدُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى. قُلْنَا: وَ اَفْضَلُنَا فَضْلًا. وَ اَعْظَمُنَا طَوْلًا. فَقَالَ: قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ اَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ وَ لَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ۔

مطرف کہتے ہیں: میں بنی عامر کے ایک وفد کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپؐ ہمارے سیّد و سردار ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: سردار اور مالک تو اللہ سبحانہ کی ذات ہے۔ ہم نے عرض کی: سرکار! آپؐ ہم سب سے افضل و برتر اور عظیم تر تو بہر حال ہیں۔ فرمایا: جو چاہو کہو

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۵۔

[2] سنن النسائی، ص ۸، حدیث ۱۰۱۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۴۸، حدیث ۸۔

[3] سنن ابن ماجۃ، ج، ص ۱۱۰۰، حدیث ۳۳۱۲۔ مکارم الاخلاق، ج ۱، ص ۴۸، حدیث ۷۔

لیکن خبردار شیطان تمہیں اپنے ساتھ نہ کھینچ لے جائے۔[۱]

[9] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَآ اَكَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَهُوَ مُتَّكِئٌ مُنْذُ بَعَثَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ، وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَتَشَبَّهَ بِالْمُلُوْكِ، وَنَحْنُ لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّفْعَلَ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا اور آپؐ بادشاہوں سے مشابہت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ہم بھی ایسا کوئی کام کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔[۲]

[10] زَاذَانُ: رَاَيْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يُمْسِكُ الشُّسُوْعَ بِيَدِهٖ، يَمُرُّ فِي الْاَسْوَاقِ فَيُنَاوِلُ الرَّجُلَ الشِّسْعَ وَيُرْشِدُ الضَّالَّ وَيُعِيْنُ الْحَمَّالَ عَلَى الْحُمُوْلَةِ، وَهُوَ يَقْرَاُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[۳] ثُمَّ يَقُوْلُ: هٰذِهِ الْاٰيَةُ اُنْزِلَتْ فِي الْوُلَاةِ وَذَوِي الْقُدْرَةِ مِنَ النَّاسِ۔

زاذان کہتے ہیں: میں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ بازار میں کسی شخص کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تھا تو اٹھا کر کر دے دیتے تھے، بھٹکے ہوئے مسافر کو راستہ بتاتے تھے اور مزدوروں کے سامان اٹھانے میں مدد فرمایا کرتے تھے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے جس میں ارشاد ہے: ''یہ دار آخرت صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اس دنیا میں بلندی اور فساد کے طلبگار نہیں ہیں اور آخرت تو بہر حال صاحبان تقویٰ کیلئے ہے''۔ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے: یہ آیت حکام اور صاحبان قدرت و اختیار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۴]

[11] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: خَرَجَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ رَاكِبٌ، فَمَشَوْا مَعَهُ فَقَالَ: اَلَكُمْ حَاجَةٌ؟ قَالُوْا: لَا، وَلٰكِنَّا نُحِبُّ اَنْ نَّمْشِيَ مَعَكَ، فَقَالَ لَهُمْ: اِنْصَرِفُوْا؛ فَاِنَّ مَشْيَ الْمَاشِيْ مَعَ الرَّاكِبِ مَفْسَدَةٌ لِّلرَّاكِبِ وَمَذَلَّةٌ لِّلْمَاشِيْ۔

---

[۱] سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۲۵۴، حدیث ۴۸۰۶۔ الادب المفرد، ص ۲۷، حدیث ۲۱۱۔ مسند ابن حنبل، ج ۵، ص ۴۹۸، حدیث ۱۶۳۰۷، وص ۴۹۹، حدیث ۱۶۳۱۱ و ۱۶۳۱۶۔ کشف الخفاء، ج ۱، ص ۴۶۲، حدیث ۱۵۱۴۔

[۲] الکافی، ج ۶، ص ۲۷۲، حدیث ۸۔

[۳] سورۂ قصص، آیت ۸۳۔

[۴] فضائل الصحابۃ، ابن حنبل، ج ۲، ص ۶۲۱، حدیث ۱۰۶۴۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ایک دن سوار ہو کر نکلے تو کچھ لوگ آپؑ کی سواری کے ہمراہ پیدل چلنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپؑ نے فرمایا: کیا تمہیں کوئی کام ہے؟ لوگوں نے عرض کی: نہیں، مگر ہمیں آپؑ کی رکاب میں چلنا اچھا لگتا ہے۔ فرمایا: واپس جاؤ، پیدل کا سوار کے ساتھ پیدل چلنا سوار کیلئے باعث فساد و غرور ہے اور پیدل کیلئے باعث ذلت و اہانت ہے۔[1]

[12] رُوِیَ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ كَانَ یَجْلِسُ اِلَی الْمَسَاكِیْنِ. ثُمَّ یَقُوْلُ: اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام مساکین کے پہلو میں بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے: خدا متکبر افراد کو دوست نہیں رکھتا ہے۔[2]

[13] رُوِیَ اَنَّهٗ مَرَّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ عَلٰی فُقَرَآءَ وَ قَدْ وَضَعُوْا كُسَیْرَاتٍ عَلَی الْاَرْضِ وَ هُمْ قُعُوْدٌ یَلْتَقِطُوْنَهَا وَ یَاْكُلُوْنَهَا. فَقَالُوْا لَهٗ: هَلُمَّ یَا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَی الْغَدَآءِ. قَالَ: فَنَزَلَ وَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ. وَ جَعَلَ یَاْكُلُ مَعَهُمْ حَتّٰی اكْتَفَوْا وَ الزَّادُ عَلٰی حَالِهٖ بِبَرَكَتِهٖ. ثُمَّ دَعَاهُمْ اِلٰی ضِیَافَتِهٖ وَ اَطْعَمَهُمْ وَ كَسَاهُمْ۔

مروی ہے: ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام فقراء کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔ وہ لوگ روٹی کے ٹکڑے زمین پر رکھ کر کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپؑ کو دیکھ کر عرض کی: فرزند رسولؐ! آئیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں! اس پر آپؑ بیٹھ گئے اور فرمایا: خدا تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ آپؑ نے ان کے ساتھ کھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپؑ کی برکت سے سب نے سیر ہو کر کھایا مگر کھانا اتنے کا اتنا ہی رہا۔ اس کے بعد سب کو اپنے گھر بلا کر کھانا بھی کھلایا اور کپڑے بھی عنایت فرمائے۔[3]

[14] مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: مَرَّ الْحُسَیْنُ بِمَسَاكِیْنَ یَاْكُلُوْنَ فِی الصُّفَّةِ فَقَالُوْا: الْغَدَآءَ. فَنَزَلَ وَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِیْنَ. فَتَغَدّٰی مَعَهُمْ ثُمَّ قَالَ لَهُم: قَدْ اَجَبْتُكُمْ فَاَجِیْبُوْنِیْ. قَالُوْا: نَعَمْ. فَمَضٰی بِهِمْ اِلٰی مَنْزِلِهٖ. فَقَالَ لِلرَّبَابِ: اَخْرِجِیْ مَا كُنْتِ تَدَّخِرِیْنَ۔

---

[1] الکافی، ج۶، ص ۵۴۰، حدیث ۱۶۔ تحف العقول، ص ۲۰۹۔

[2] تفسیر الطبری، ج۸، ص ۹۴۔ العمدۃ، ص ۴۰۰، حدیث ۸۱۲۔

[3] مناقب ابن شہر آشوب، ج۴، ص ۲۳۔

محمد بن عمرو بن حزم کہتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام مساکین کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو صفہ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ان لوگوں نے آپؑ کو مدعو کر لیا۔ آپؑ شریک طعام ہو گئے اور فرمایا: خدا متکبرین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کر لی، اب تم میرے یہاں آؤ۔ وہ لوگ آ گئے۔ آپؑ نے گھر کے اندر جا کر فرمایا: رباب جو کچھ گھر میں ذخیرہ ہے سب کچھ دے دو۔[1]

[15] اَبُوْ بَصِيْرٍ: دَخَلَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْحَمَّامَ. فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُ الْحَمَّامِ: اُخْلِيْهِ لَكَ؟ فَقَالَ: لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ. اَلْمُؤْمِنُ اَخَفُّ مِنْ ذٰلِكَ۔

ابو بصیر روایت کرتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حمام میں داخل ہوئے تو صاحب حمام نے کہا کہ: آپؑ کیلئے خاص انتظام کرا دیا جائے اور اسے خالی کرا دیا جائے؟ فرمایا: کوئی ضرورت نہیں ہے، مومن ان تکلفات سے مبرا ہوتا ہے۔[2]

[16] اِبْنُ شَهْرِ اٰشُوْبَ فِي الْمَنَاقِبِ: دَخَلَ [الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ] الْحَمَّامَ فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ النَّاسِ: دَلِّكْنِيْ يَا رَجُلُ. فَجَعَلَ يُدَلِّكُهٗ. فَعَرَفُوْهُ. فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَسْتَعْذِرُ مِنْهُ وَ هُوَ يُطَيِّبُ قَلْبَهٗ وَ يُدَلِّكُهٗ۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ: حضرت امام علی رضا علیہ السلام میں حمام داخل ہوئے تو ایک شخص نے آپؑ سے پیٹھ رگڑنے کا مطالبہ کر دیا۔ آپؑ نے شروع کر دی۔ ایک شخص نے اسے بتا دیا تو وہ معذرت کرنے لگا، لیکن آپؑ اس کی تالیف قلب اور خدمت میں لگے رہے۔[3]

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

[1] تاریخ دمشق، حالات امام حسین علیہ السلام، ص ۱۵۱، حدیث ۱۹۶۔ تفسیر العیاشی، ج ۲، ص ۲۵۷، حدیث ۱۵۔

[2] الکافی، ج ۶، ص ۵۰۳، حدیث ۳۷۔

[3] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۶۲۔

قسط:23

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

سولہویں حدیث:

بِأَسَانِيدِنَا الْمُتَّصِلَةِ إِلَى ثِقَةِ الْإِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِينَ فَخْرِ الطَّآئِفَةِ الْحَقَّةِ وَ مُقَدَّمِهِمْ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِنَا. عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ. عَنْ أَبِيهِ. عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمَانِ. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُسْكَانَ. عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ:

إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ عَلَى جَمِيعِ أَحْوَالِهِ. إِنْ نَابَتْهُ نَآئِبَةٌ صَبَرَ لَهَا وَ إِنْ تَدَاكَّتْ عَلَيْهِ الْمَصَآئِبُ لَمْ تَكْسِرْهُ وَ إِنْ أُسِرَ وَ قُهِرَ وَ اسْتُبْدِلَ بِالْيُسْرِ عُسْرًا كَمَا كَانَ يُوسُفُ الصِّدِّيقُ الْأَمِينُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ لَمْ يَضْرُرْ حُرِّيَّتَهُ أَنِ اسْتُعْبِدَ وَ قُهِرَ وَ أُسِرَ وَ لَمْ تَضْرُرْهُ ظُلْمَةُ الْجُبِّ وَ وَحْشَتُهُ وَ مَا نَالَهُ أَنْ مَنَّ اللهُ عَلَيْهِ فَجَعَلَ الْجَبَّارَ الْعَاتِيَ لَهُ عَبْدًا بَعْدَ إِذْ كَانَ [لَهُ] مَالِكًا. فَأَرْسَلَهُ وَ رَحِمَ بِهِ أُمَّةً وَ كَذٰلِكَ الصَّبْرُ يُعَقِّبُ خَيْرًا. فَاصْبِرُوا وَ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ عَلَى الصَّبْرِ تُؤْجَرُوا۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

آزاد انسان ہر حال میں آزاد ہے۔ اگر اس پر مصیبت آجاتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اگر (چاروں طرف سے) مصائب ٹوٹ پڑیں اور چاہے وہ اسیر و مقہور کر لیا جائے پھر بھی شکستہ (خاطر) نہیں ہوتا۔ وہ سختیوں کو آسانیوں سے بدل لیتا ہے، جیسے کہ صدیق و امین جناب یوسف علیہ السلام کو ان کی غلامی، اسیری اور شکست نے ان کی آزادی کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا اور نہ کنویں کی تاریکی، تنہائی اور

بلائیں ان کا کچھ بگاڑ سکیں، یہاں تک کہ خدا نے ان پر احسان فرمایا کہ ظالم و سرکش کو ان کا غلام بنا دیا جبکہ وہ (پہلے) آقا تھا۔ پس خدا نے ان کو رسول بنایا اور ان کے ذریعے اُمت پر رحم فرمایا۔ اسی طرح صبر اپنے بعد اچھائی لاتا ہے، لہٰذا آپ لوگ صبر کریں اور اپنے آپ کو صبر کیلئے تیار کیجئے تا کہ آپ کو اس کا اجر مل سکے۔[1]

شرح:

''نَائِبَۃ'' مفرد ہے، اس کی جمع ''نوائب'' ہے۔ اس سے مراد نازل ہونے والے حوادث و واقعات ہیں، لیکن جوہری نے اپنی کتاب ''الصحاح'' میں اس کے معنی ''مصیبت'' لکھے ہیں۔

''دک'' کے معنی ''دق'' کے ہیں، یعنی کسی چیز کو کوٹنے (پیسنے) کے ہیں۔ جوہری لکھتے ہیں:

دَكَكْتُ الشَّيْءَ، أَدُكُّهُ دَكًّا إِذَا ضَرَبْتُهُ وَكَسَرْتُهُ حَتّٰى سَوَّيْتُهُ بِالْأَرْضِ۔

پھر میں نے اس چیز کو کوٹا اور اس کو کوٹ کر اور مار پیٹ کر اور توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیا۔

اسی طرح یہ لفظ اجتماع اور ازدحام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ نہایہ میں منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ثُمَّ تَدَاكَكْتُمْ عَلَيَّ تَدَاكُكَ الْإِبِلِ الْهِيْمِ عَلٰى حِيَاضِهَا۔

پھر تم بے تحاشا میری طرف لپکے جس طرح پانی پینے کے دن وہ اونٹ ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہیں کہ جنہیں ان کے ساربان نے ان کے پیروں بندھن کھول کر کھلا چھوڑ دیا ہو۔[2]

اس فرمان میں ''تداککتم'' کے معنی ''ازدحمتم'' کے ہیں، یعنی ''تم لوگوں نے اجتماع کیا''۔

نہایہ میں یہ بھی منقول ہے کہ ''دک'' بمعنی ''کسر'' ہے[3]۔ البتہ اس حدیث شریف میں ''تداکت''

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۹، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۶۔

[2] نہایہ، ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۲۸۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۲۰۔

[3] نہایۃ اللغۃ، باب الدال مع الکاف۔

کے معنی ''لَمْ تَكْسِرْهُ'' کی مناسبت سے معنی اول (کوٹنا) سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ویسے دوسرا معنی یعنی ''اجتماع'' بھی مناسب ہے۔

''اِنْ أسِرَ'' میں لفظ ''ان'' وصلیہ ہے اور ''قُهِرَ'' و ''اسْتُبْدِلَ'' اسی پر عطف ہیں۔ علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے: بعض نسخوں میں ''اسْتُبْدِلَ بِالْعُسْرِ يُسْرًا'' آیا ہے[1]۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ ''لَمْ تَكْسِرْهُ'' پر عطف ہے اور صبر کی غایت ہے۔

اور جملہ ''اِنِ اسْتُعْبِدَ'' مفعول پر مبنی ہے اور ''لَمْ يَضُرَّهُ'' کا فاعل ہے۔ مراۃ العقول کے نسخہ میں ''اُسْتُبْعِدَ'' آیا ہے، جبکہ وسائل الشیعہ میں ''اسْتُعْبِدَ'' آیا ہے[2]۔ گمان یہ ہے کہ مراۃ العقول کے نسخے میں کاتب کی غلطی ہو، اگرچہ معنی کے اعتبار سے وہ بھی غلط نہیں ہے، لیکن حدیث شریف اور مقام کی مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ وسائل الشیعہ والا نسخہ صحیح ہے۔

اور ''مَانَالَهُ''، ''ظُلْمَةُ الْجُبِّ'' پر عطف ہے، یعنی بھائیوں کی طرف سے جو ظلم، مصائب اور حزن پڑے اور کنویں کی تاریکی نے جناب یوسف علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

''اَنْ مَنَّ اللهُ'' میں اظہر یہ ہے کہ یہاں پر ''اِلٰی'' مقدر ہے، یعنی ''اِلٰی اَنْ مَنَّ اللهُ'' ہے اور ''لَمْ يَضُرَّهُ وَ لَمْ تَضُرَّهُ'' کے دو مقامات پر تنازع ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اس میں بہت سے احتمالات بیان کئے ہیں[3]۔ مگر ان کے ذکر سے طوالت کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور اس جملے ''جناب یوسف علیہ السلام کا مالک ان کا غلام ہو گیا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ جناب یوسف علیہ السلام کے تابع ہو گیا۔

پہلی فصل: شہوت تمام برائیوں کی جڑ ہے

یہ جان لو کہ اگر انسان نفسانی خواہشوں اور شہوانی طاقتوں کا اسیر ہو گیا تو ان چیزوں کا تسلّط جتنا زیادہ

---

[1] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۱۳۰، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۶۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۹۰۳، کتاب الطہارۃ، ابواب الدفن، باب ۷۶، حدیث ۷۔

[3] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۱۳۱، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۶۔

ہوگا اس کی غلامی، قید و بند اور عبودیت بھی اسی قدر زیادہ ہوگی اور کسی کی عبودیت و غلامی کا مقصد اس کی اطاعت اور اس کے سامنے سرنگوں ہونا ہے۔ شہوتوں کا مطیع اور نفس امارہ کا مقہور بندہ ان کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔ یہ چیزیں اس کو جو بھی حکم دیتی ہیں، بڑی خندہ پیشانی سے ان کو بجالاتا ہے اور ان کے سامنے اس کی حیثیت ایک حلقہ بگوش غلام اور فرمانبردار بندے کی سی ہوتی ہے اور پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ انسان ان چیزوں کی اطاعت کو زمین و آسمان کے مالک خدا کی اطاعت پر مقدم کر دیتا ہے اور ان کی بندگی کو حقیقی مالک الملوک کی بندگی پر ترجیح دیتا ہے اور پھر اس وقت اس کی عزت، آزادی اور حریت پسندی اس کے قلب سے اپنا بوریا بستر باندھ لیتی ہے اور اس کے چہرۂ قلب پر بندگی و غربت اور ذلت کا غبار چھا جاتا ہے اور وہ اہل دنیا کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اہل دنیا اور صاحبانِ جاہ و حشم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے، اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے اپنے جیسے افراد کی ذلت و منت برداشت کرتا ہے، پیٹ اور جنسی خواہش کی تکمیل کیلئے ذلت و رسوائی برداشت کرتا ہے اور جب تک شہوت و نفس کا غلام رہتا ہے کسی بھی قسم کی عزت و جوانمردی اور حریت کی خلاف ورزی سے ہچکچاتا نہیں اور ہر کس و ناکس کی اطاعت کرتا ہے۔ محض حصول مطلب کے امکان کی بنا پر چاہے وہ امکانِ خیالی ہی کیوں نہ ہو، ہر بے قیمت و پست شخص کا احسان اٹھانے کیلئے تیار رہتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے: باب طمع میں وہم خیال حجت ہے۔

جو لوگ بندۂ دنیا اور خواہشوں کے غلام ہیں اور انہوں نے نفس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے، جس کے پاس بھی دنیا پاتے ہیں یا دنیا پانے کا امکان ہے، اسی کی غلامی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اگر یہ لوگ بظاہر عفت نفس و (عدم) احسان کا ذکر کریں تو یہ محض فریب و دھوکہ ہے۔ خود ان کے اعمال و اقوال ان کے کلام کی تکذیب کریں گے اور یہ بندگی و غلامی، ان امور میں سے ہے جو انسان کو ہمیشہ ذلت اور رنج اور مشقت میں مبتلا رکھتی ہے۔ شرافت اور عزت نفس کے مالک انسان کو چاہیے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے آپ کو اس سے الگ رکھے۔ اس غلاظت سے پاکیزگی اور اس ذلت و خواری سے رہائی، نفس کے معالجے پر موقوف ہے اور معالجہ علم و عملِ نافع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

عمل کی صورت یہ ہے کہ شرعی ریاضتوں پر عمل اور نفس کی مخالفت اتنی مدت تک کرے کہ نفس دنیا کی

شدید محبت اور شہوت و نفسانی خواہشات سے منصرف ہو جائے اور خیرات و کمالات کا عادی ہو جائے۔

علم کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو سمجھائے اور اپنے دل کو باور کرائے کہ دوسری مخلوقات بھی اسی کی طرح ضعیف و محتاج اور غریب و نادار ہیں اور میری طرح وہ خود بھی اپنے تمام کلی و جزئی امور میں غنی مطلق اور قادر و توانا (خدا) کی محتاج ہیں۔ ان کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کسی کی حاجت روائی کر سکیں اور وہ ایسی نہیں ہیں کہ نفس ان کی طرف متوجہ اور دل مائل ہو سکے۔ جس قادر و توانا نے ان کو عزت و شرف اور مال و منال دیا ہے، وہی ہر شخص کو دینے پر قادر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی شکم سیری یا خواہش نفس کی تکمیل کیلئے انسان اتنی ذلت و رسوائی برداشت کرے اور ایک ایسی مخلوق کا جو غریب و ناچیز اور بے دست و پا ہے، بے دانش و بینش ہے، احسان مند ہو تو یہ اس کیلئے انتہائی باعث شرم ہے۔ اگر احسان لینا ہی ہے تو غنی مطلق اور خالق ارض و سما کا احسان لے، کیونکہ اگر تم نے اس ذات مقدس کی طرف توجہ پیدا کر لی اور تمہارا دل اس کے حضور میں خاضع ہو گیا تو دونوں عالم سے چھٹکارا پا جاؤ گے اور مخلوق کا طوق عبودیت اپنی گردن سے اتار پھینکو گے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْعُبُوْدِیَّةُ جَوْهَرَةٌ كُنْهُهَا الرُّبُوْبِيَّةُ۔

خدا کی بندگی وہ گوہر گراں بہا ہے جس کا باطن آزادی و ربوبیت ہے۔[1]

خدا کی بندگی اور مرکزی نقطۂ واحدہ کی طرف توجہ اور خدا کی سلطنت مطلقہ میں اپنی تمام قوتوں اور سلطنتوں کے فنا کر دینے سے دل کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام عوالم پر حکومت کرتی ہے اور روح میں بھی ایسی عظمت و بلندی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر وہ خدا اور وہ ہستیاں جن کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، ان کے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کرتی اور اگر انقلاب زمانہ سے کسی کی قدرت و سلطنت کے ماتحت ہو بھی جائے تو اس کا دل لرزتا نہیں ہے، بلکہ نفس کی حریت اور خود مختاری باقی رہتی ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت لقمان علیہ السلام کی ظاہری غلامی نے ان کی قلبی آزادی و حریت کو سلب نہیں کیا۔

[1] مصباح الشریعۃ، ص ۷۔

مگر (وائے ہوان) بہت سے طاقتور اور ظاہری سلطنت کے مالک لوگوں پر جو ایسے بھی ہیں جنہوں نے حریت و آزادی نفس اور بڑائی اور عظمت کی بو بھی نہیں سونگھی، بلکہ نفس کے بندۂ ذلیل اور حلقہ بگوش غلام بنے رہتے ہیں اور جس کی بنا پر وہ ناچیز مخلوق کی تملّق وخوشامد کرتے ہیں۔

حضرت سیّد الساجدین علیہ السلام فرماتے:

اِنِّیْ لَاٰنَفُ اَنْ اَطْلُبَ الدُّنْیَا مِنْ خَالِقِھَا فَکَیْفَ مِنْ مَخْلُوْقٍ مِثْلِیْ۔

مجھے خالق جہاں سے دنیا کا سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے چہ جائیکہ میں اپنی جیسی مخلوق سے سوال کروں؟۔[1]

اے میرے عزیز! اگر تم کو طلب دنیا سے شرم محسوس نہیں ہوتی تو کم از کم اپنی جیسی کمزور مخلوق سے تو سوال نہ کر۔ یہ جان لے کہ مخلوق تیری دنیا کو آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں مان لیتا ہوں کہ ہزار ذلت و رسوائی سے تم نے کسی مخلوق کے ارادے کو حاصل کر لیا (لیکن) اس کا ارادہ ملک خدا میں کارفرما نہیں ہے۔ کسی کا بھی اختیار مالک الملوک کی ملکیت میں نہیں ہے۔ اس لئے چند روزہ دنیا اور محدود، نیز عارضی خواہشوں کیلئے ہر وقت ناچیز مخلوق کی چاپلوسی نہ کرو۔ اپنے خدا سے غافل نہ ہو، اپنی حریت و آزادی کی حفاظت کرو، غلامی کے طوق کو اپنی گردن سے اتار دو اور ہر حال میں آزاد رہو۔ جیسا کہ زیر بحث حدیث شریف میں ہے: اِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ عَلٰی جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ: ''آزاد ہر حالت میں آزاد ہوتا ہے''۔

یہ بات بھی جان لو کہ بے نیازی کا تعلق دل سے ہے۔ اگر دل بے نیاز ہے تو انسان غنی و بے نیاز ہے اور بے نیازی کا دارو مدار روح کے حالات پر ہے۔ اس کا تعلق ان خارجی امور سے نہیں ہے جو انسان سے غیر مربوط ہیں۔ میں نے خود اہل دولت و ثروت اور مال و منال میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان جیسے اظہارات کوئی باعزت غریب بھی نہیں کر سکتا۔ ان کی باتیں شرم آور تھیں، ذلّت و پستی کا غبار ان

[1] علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۶۵، حدیث ۳ میں حضرت امام سجاد علیہ السلام کی روایت کے ضمن میں یہ مضمون تھوڑے اختلاف عبارت کے ساتھ آیا ہے۔ وہاں یہ عبارت ہے: اِنِّیْ لَاٰنَفُ اَنْ اَسْئَلَ الدُّنْیَا خَالِقَھَا فَکَیْفَ اَسْئَلُھَا مَخْلُوْقًا مِثْلِیْ۔

بے چاروں کے دلوں پر چھایا تھا۔ یہودی باوجودیکہ پوری دنیا میں آبادی کے تناسب سے امیر ترین قوم ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے چہروں سے ذلت وپستی اور غربت وفاقہ ٹپکتا رہتا ہے اور پوری عمر ذلت وخواری، عاجزی اور ناداری میں بسر کرتے ہیں۔ یہ صرف ان کی روحانی ذلت اور قلبی غربت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ (اسی طرح) اہل زہد و درویش صفت لوگوں میں بعض ایسے اشخاص کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ ان کے دل اتنے مستغنی اور بے نیاز ہیں کہ پوری دنیا کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور خدا کے علاوہ کسی کو عرض حال کے لائق نہیں سمجھتے۔

تم خود اہل دنیا اور طالبان اقتدار کو دیکھو اور گہری نظر سے مطالعہ کرو تو پتہ چل جائے گا ان کی ذلت اور چاپلوسی دوسروں سے کہیں زیادہ اور لوگوں کے سامنے ان کا خضوع بہت ہی زیادہ ہے۔ پیرومرشد قسم کے لوگ ذلت ورسوائی برداشت کرتے اور خیر خواہی کا اظہار کرتے ہیں، تاکہ کچھ دنوں کیلئے پیٹ پوجا کریں اور جنسی خواہش کی تسکین ہو۔ پیر کا دل اپنے مرید کے سامنے اس سے زیادہ خاشع ہوتا ہے جتنا مرید کا دل پیر کے سامنے خاضع ہوا کرتا ہے، حالانکہ دونوں کی اصل عقیدت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مرید کی عقیدت، روحانی والٰہی ہے چاہے وہ غلط ہو اور پیر کی ارادت دنیاوی وشیطانی ہے۔ یہ سب تو دنیاوی ذلتیں اور مفسدے ہیں اور اگر کہیں پردہ اٹھ جائے تو پتہ چلے کہ خواہشات نفسانی اور شہوتوں کی اسارت کی زنجیروں کی قید وبند کے نیچے کیا صورت ہے؟ ہوسکتا ہے کہ وہ زنجیر جس کا طول ستر (۷۰) ہاتھ کا ہے اور جس کی خدا نے خبر دی ہے اور وہ قید وزنجیر جو ہمارے لئے ہے وہ اس دنیا میں یہی شہوت وغضب کے زیر فرمان ہونا ہے۔

ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ﴾
جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کو حاضر پایا۔[1]

نیز ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ کہف، آیت ۴۹۔

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ [1]﴾

(ہر نفس کیلئے اس کی حاصل کی ہوئی نیکیوں کا فائدہ بھی ہے اور اس کی کمائی ہوئی برائیوں کا مظلمہ بھی)۔[1]

یعنی اس عالم میں ہم کو جو بھی ملے گا وہ ہمارے اعمال کی صورت میں ہوگا۔

خواہشوں اور شہوتوں کی پیچ در پیچ زنجیروں کو توڑ دو، کمند دل کو توڑ کر اور قید سے باہر آ کر اس دنیا میں آزاد زندگی بسر کرو تا کہ اُس عالم میں آزاد رہو، ورنہ اس قید کی (حقیقی) صورت وہاں دیکھنا ہوگی اور یہ سمجھ لو کہ وہ بہت ہی بھیانک اور خوفناک ہے۔ اولیائے خدا باوجود یکہ اس کی غلامی سے بالکل آزاد ہو چکے تھے اور مکمل طور پر آزاد تھے مگر ان کے اتنے دل لرزاں تھے اور انجام کار سے اتنے گریاں رہتے اور نالہ کرتے تھے کہ عقلیں متحیر ہیں!

دوسری فصل:

اگر چہ ان اوراق میں جو مطالب بیان کئے گئے ہیں وہ عام اور مشہور و معروف ہیں اور انہیں مکررات سے شمار کرنا چاہیے لیکن اس تکرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نفس کو یاد دہانی اور حق بات کی تکرار اچھی بات ہے۔ اسی لئے وظائف و اوراد اور عبادات و مناسک میں تکرار پسندیدہ امر ہے اور اس تکرار کا اصلی مقصد نفس کو عادی اور ریاضت کا پابند بنانا ہے۔ لہٰذا میرے عزیز! تکرار سے رنجیدہ نہ ہو اور یہ جان لو کہ جب تک انسان، نفس اور اس کی شہوتوں کا اسیر ہے اور شہوت و غضب کی لمبی زنجیریں اس کی گردن میں ہیں، وہ کسی بھی معنوی و روحانی مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ نفس کی باطنی سلطنت اور اس کا نافذ ارادہ ظاہر ہو سکتا ہے اور نہ عزت نفس و مقام استقلال جو کمال روحانی کا عظیم ترین مقام ہے، انسان کے اندر پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ اس اسیری کی وجہ سے انسان کبھی بھی اور کسی بھی حال میں نفس کی اطاعت سے روگردانی نہیں کر سکتا اور جب نفس امارہ اور شیطان کی حکومت باطنی طور سے طاقتور ہو جاتی ہے اور تمام قوتیں اس کی غلامی اور اطاعت کرنے لگتی ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتی اور سر تسلیم خم کر لیتی ہیں تو پھر نفس امارہ اور

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶۔

شیطان صرف گناہوں پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ رفتہ رفتہ انسان کو گناہان صغیرہ سے گناہان کبیرہ کی طرف، اس کے بعد عقیدے میں کمزوری، پھر تاریکی افکار، پھر انکار خدا اور انبیاءؑ و اولیاءؑ سے دشمنی اور بغض پر آمادہ کر دیتے ہیں اور نفس چونکہ ان کا غلام بن چکا ہوتا ہے، اس لئے ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ پس اس اطاعت اور اسیری کا نتیجہ بہت ہی خراب ہوتا ہے اور ممکن ہے انسان کو بہت ہی ہولناک جگہوں تک پہنچا دے۔

اس لئے عقلمند اور اپنے اوپر مہربان انسان کو چاہیے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے آپ کو اس اسیری سے نکالے اور جب تک موقع میسر ہو، قوتیں سالم ہوں اور زندگی کے ساتھ صحت و جوانی برقرار ہو اور جب تک قوتیں مکمل طور پر شیطان کی مسخر نہ ہوئی ہوں، اس کا مقابلہ کرے اور ایک مدت تک اپنے اوقات کی پابندی کرے۔ حالات نفس کا مطالعہ کرے، گزشتہ لوگوں کے حالات اور ان کے برے انجام پر غور و خوض کرے اور گزرے ہوئے چند دنوں کے بارے میں اپنے باطن قلب کو سمجھائے اور دل کو بیدار کرے اور ہمارے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول حقیقت :اَلدُّنْیَا مَزْرِعَۃُ الْاٰخِرَۃِ[1]: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' سے دل کو آگاہ کرے۔ اگر ان چند دنوں میں زراعت نہیں کی، عمل صالح انجام نہیں دیا تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا، دوسرا عالم قریب آجائے گا، موت آدبوچے گی تو سارے اعمال منقطع ہو جائیں گے، تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور اگر خدانخواستہ شہوتوں کی اسی غلامی اور مختلف خواہشات نفس کی اسارت کے زمانہ میں ملک الموت آگئے، تو ممکن ہے شیطان اپنے مقصد، یعنی ایمان خراب کرنے میں کامیاب ہو جائے اور ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرے اور ہمارے دل کو ایسا لبھائے کہ خدا، انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی دشمنی پر ہمارا خاتمہ ہو اور پھر خدا جانے اس کے بعد ہمارے ساتھ کیسی بدبختیاں، تاریکیاں اور وحشتیں ہوں!

لہٰذا اے ذلیل نفس! اے غافل دل! اب تو خواب غفلت سے بیدار ہو جا اور اس دشمن کے مقابلے کیلئے تیار ہو جا جس نے سالہا سال سے تمہارے گلے میں رسی ڈالی ہوئی ہے اور تم کو قیدی بنایا ہوا ہے،

---

[1] علم الیقین، ج ۱، ص ۷۴۳، مقصد سوم، باب اول، فصل ۸۔ احیاء العلوم، ج ۴، ص ۱۹، کتاب توبہ۔

جدھر چاہتا ہے تم کو لے جاتا ہے اور جس برائی اور پست عادت کی طرف چاہتا ہے تم کو گھسیٹ لے جاتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ اٹھ کھڑے ہو کر اس قید کو توڑ دو۔ زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو، آزاد ہو جاؤ، ذلت و رسوائی کو دور کر دو، خدا کی بندگی میں گردن جھکا دو تا کہ ہر قسم کی غلامی و بندگی سے نجات مل جائے اور دونوں عالم میں سلطنت مطلقہ الٰہیہ حاصل کر سکے۔

اے عزیز! اگر چہ یہ دنیا دار جزا نہیں اور سلطنت حق کے ظہور کی جگہ نہیں ہے، بلکہ مومن کیلئے قید خانہ [1] ہے (پھر بھی) اگر تو نفس کی قید سے آزاد ہو جائے، خدا کی بندگی میں سر تسلیم خم کر دے، دل کو توحید پرست بنا دے، دوئی کے زنگ کو آئینہ روح سے دھوڈالے، دل کو کمال مطلق کے مرکزی نقطے کی طرف متوجہ کر دے تو اسی عالم میں اس کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور تیرے دل میں ایسی وسعت پیدا ہو جائے گی جو سلطنت تامہ الٰہیہ کے ظہور کی جگہ بن سکے اور تمام عوالم سے اس کی وسعت زیادہ ہوگی۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

لَا تَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَآئِیْ، بَلْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ۔

میں آسمان و زمین میں تو نہیں سما سکتا لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما سکتا ہوں۔ [2]

اس طرح سے اس (دل) کے اندر ایسا غنا پیدا ہو جائے گا کہ تمام ممالک ظاہر و باطن اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں گے اور ارادہ اتنا قوی ہو جائے گا کہ ملک و ملکوت سے بھی متعلق نہ ہوگا اور وہ دونوں عالم کو اپنے لائق نہ سمجھے گا۔ بقول شیخ سعدی:

طیران مرغ دیدی تو ز پای بند شهوت

بدر آیی تا ببینی طیران آدمیت

''تو نے نفسانی خواہشات کے غلام سے طائر کی پرواز کو دیکھا، اب ذرا (تقیدات سے) باہر آؤ اور آدمیت کی پرواز دیکھو''۔

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ: ''دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے''۔ (الکافی، ج ۲، ص ۲۵۰)

[2] عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۷۔

تیسری فصل: صبر، قیدِ نفس سے آزادی کا نتیجہ ہوتا ہے

نفس کی غلامی سے آزادی کا سب سے بڑا نتیجہ اور عظیم ثمرہ، مصیبتوں اور بلیات میں صبر ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ صبر کے معنی کو اجمالاً بیان کریں اور اس کی اقسام وثمرات اور حریت سے ارتباط کا ذکر کریں۔

''صبر'' کی تعریف، طائفہ حقہ کے محقق، فرقۂ محقہ کے مدقق، علم وعمل میں کامل (خواجہ) نصیرالدین طوسی (قدس اللہ نفسہ القدوسی) نے اس طرح فرمائی ہے:

(''صبر'' یعنی) ناپسندیدہ حالات میں نفس کو بے تابی سے محفوظ رکھنا۔[1]

اور عارف ومحقق مشہور نے منازل السائرین میں اس طرح فرمایا:

چھپے ہوئے غم واندوہ پر نفس کو شکایت سے محفوظ رکھنا، ''صبر'' ہے۔[2]

آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صبر متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ نفس جب تک مصائب وآلام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان چیزوں سے اس کو باطنی غم حاصل ہوگا، اس کی معرفت ناقص ہے، جیسے رضا بہ قضا اور بلاؤں کے نزول پر خوش ہونا، ایک بلند مقام ضرور ہے، مگر ہم اس کو بھی متوسطین کے مقامات میں سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح گناہوں اور اطاعتوں پر صبر کو بھی اسرار عبادات اور معاصی وطاعات کی صورتوں کی معرفت میں نقص شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی عبادت کی حقیقت کو سمجھتا ہو اور اس کی خوبصورت برزخی شکل سے آشنا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور معصیت کی وحشت ناک برزخی صورت پر ایمان رکھتا ہو تو ان مقامات پر اس کیلئے صبر ایک بے معنی شے ہے، بلکہ مطلب اس کے برعکس ہے، کیونکہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ اگر اس کو خوشی یا راحت نصیب ہو یا اس کا کام نتیجتاً ترک عبادت یا فعل معصیت ہو تو یہ چیز اس کیلئے ناپسندیدہ ہوتی ہیں اور اس کی باطنی تکلیف، بلا اور مصیبت پر اہل صبر کے غم واندوہ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

---

[1] اوصاف الاشراف، ص ۱۰۸، فصل ۵، باب ۳۔

[2] منازل السائرین، ج ۳۸، باب الصبر۔

جناب عبد صالح، فریضہ عبودیت کے عارف، صاحب مقامات و کرامات، جناب علی بن طاؤس (قدس اللہ نفسہ) [1] سے منقول ہے کہ وہ اپنے اوّل تکلیف (اول بلوغ) کے دن جشن مناتے تھے، خوشی کرتے اور کھانا کھلاتے تھے اور اس دن کو روز عید شمار کرتے تھے۔ اس لئے کہ خدا نے ان کو اس دن یہ فخر عطا کیا کہ ان کو اطاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ [2]

کیا اس روحِ لطیف کیلئے اطاعتوں کے بجالانے کو ایسے ناپسندیدہ حالات پر صبر کرنا کہا جاسکتا ہے جو باطن میں چھپے ہوں؟ کہاں ہم اور کہاں یہ حق کے فرمانبردار بندے! ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے ہم پر بوجھ ڈالا ہے اور (شرعی) ذمہ داریوں کو زحمت و پریشانی کا سبب سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے اگر کوئی زحمت اٹھا کر اوّل وقت نماز پڑھ لیتا ہے تو کہتا ہے: انسان کو یہ کام جلد کر لینا چاہیے تاکہ راحت و آرام نصیب ہو! ہماری ساری بدبختی جہالت و نادانی سے ہے اور ہمارا سارا نقصان فقدان ایمان کی وجہ سے ہے۔

بہر حال حقیقت صبر، چھپے ہوئے غم واندوہ پر شکایت کرنے سے نفس کو روکنا ہے۔ مگر آئمہ ہدیٰ اور انبیائے کرام علیہم السلام کیلئے جو تعریف کی جاتی ہے کہ وہ صبر کرتے تھے ہوسکتا ہے اس سے مراد جسمانی تکلیفوں پر صبر کرنا ہو، کیونکہ بشری طبیعت کا مقتضیٰ ان پر متاثر ہونا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبوب کے فراق پر صبر کرنا مقصود ہو، کیونکہ یہ بھی محبین کے بزرگ مقامات میں سے ہے۔ اس کے بعد اس کا (بھی) ذکر کیا جائے گا، ورنہ اطاعتوں، مصیبتوں، معصیتوں وغیرہ پر صبر کرنا ان حضرات کے بارے میں کیا، بلکہ ان کے شیعوں کے بارے میں بھی بے معنی چیز ہے۔

مشہور عارف کمال الدین عبدالرزاق کاشانی شرح منازل میں فرماتے ہیں:

---

[1] رضی الدین بن موسیٰ بن جعفر (۵۸۹ھ۔ ۶۶۴ھ) جو 'ابن طاؤس' کے نام سے مشہور تھے، کامل ترین علمائے شیعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عالم، عابد، زاہد اور صاحب مقامات و کرامات تھے۔ غیبت صغریٰ میں امام زمانہ علیہ السلام سے بہت قریب تھے۔ تمام علوم میں خصوصاً اخلاق و عبادات میں آپ کی اہم کتابیں: مہج الدعوات، الاقبال، جمال الاسبوع، کشف المحجہ، الیقین، فلاح السائل سرفہرست ہیں۔

[2] کشف المحجہ، ص ۱۳۱، فصل ۱۴۸۔

شیخ نے جو فرمایا ہے کہ ''صبر، کے معنی شکایت سے احتراز کرنا ہے'' تو یہاں شکایت سے مراد مخلوق سے شکایت ہے ورنہ خدا سے شکایت اور اس کی بارگاہ میں جزع و فزع کرنا صبر کے منافی نہیں ہے، جیسے جناب ایوب علیہ السلام نے خدا سے شکوہ کرتے ہوئے عرض کی: ﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ﴾[1]: ''مجھ کو شیطان نے بہت اذیت و تکلیف پہنچا رکھی ہے'' حالانکہ خدا نے ان کی تعریف کی ہے، (جیسا کہ ارشاد ہے): ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾[2]: ''ہم نے ان کو صابر پایا اور وہ کیا اچھے بندے اور ہمارے طرف رجوع کرنے والے تھے''۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کی: ﴿اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾[3]: ''میں تو اپنی بے قراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں'' حالانکہ جناب یعقوب صابروں میں سے تھے، بلکہ خدا سے شکایت نہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔[4]

انبیائے کرام اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کے مقامات اگر چہ صبر و رضا و تسلیم سے بلند تھے، مگر پھر بھی بارگاہِ احدیت میں عجز و تضرع، دُعا و مناجات کرتے رہتے اور اپنی حاجتوں کو خدا سے طلب کرتے تھے اور یہ بات روحانی مقامات کے مخالف نہیں ہے، بلکہ خدا، محبوب سے انس و خلوت، کامل مطلق کی بارگاہ میں اظہار عبودیت و ذلت، عارفین کی سب سے بڑی آرزو اور سالکین کے سلوک کا نتیجہ ہے۔

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

---

[1] سورۂ ص، آیت ۴۱۔

[2] سورۂ ص، آیت ۴۴۔

[3] سورۂ یوسف، آیت ۸۶۔

[4] شرح منازل السائرین، ص ۸۵، باب صبر۔

مرثیہ شہادت امام حسین علیہ السلام

از: علامہ ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی

مالک سلطنتِ صبر و شجاعت تھے حسینؑ
عارفِ دبدبۂ عزمِ شہادت تھے حسینؑ
وارث عظمتِ سرکارِ رسالتؐ تھے حسینؑ
جانِ زہراؑ و علیؑ، نازِ مشیت تھے حسینؑ
حیف جس کا کوئی کونین میں ثانی نہ ملا
زیر شمشیرِ ستم اُس کو بھی پانی نہ ملا

یوں تو ہر بے کس و مضطر کا سہارا تھے حسینؑ
سارا عالم تھا مریض اور مسیحا تھے حسینؑ
دردِ تنہائی آدمؑ کا مداوا تھے حسینؑ
عصر کے وقت مگر بے کس و تنہا تھے حسینؑ
ہر ستمگر تھا نئے ظلم کا ڈھانے والا
اور نہ تھا کوئی بے کس کا بچانے والا

ہائے وہ وقت کہ جب تھے تہِ شمشیر حسینؑ
مُنہ کے بل خاک پہ تھا فاطمہؑ کا نورِ عین
دشت میں گونج رہے تھے کسی غمخوار کے بین
اب تو جنت میں بھی ممکن نہیں ماں کے لئے چین
شمر کچھ سوچ کہاں تیری جفا پہنچی ہے
فاطمہؑ خلد سے سر پیٹتی آ پہنچی ہے

کوئی باقی نہیں سیّد کا بچانے والا
جلتی ریتی سے نہیں کوئی اُٹھانے والا
آفتیں لاکھ ہوں کوئی نہیں آنے والا
نہیں مقتل میں کوئی یہ بھی بتانے والا
ظالمو! خاک پہ جو دھوپ میں اُفتادہ ہے
یہ تمہارے ہی پیمبرؐ کا نبی زادہ ہے

خاک پر گر کے ہوئے اس طرح بے ہوش حسینؑ
لب بھی ہلتے نہیں یوں ہوگئے خاموش حسینؑ
کرکے اس سارے زمانے کو فراموش حسینؑ
ماں کے نالوں پہ ہوں جیسے ہمہ تن گوش حسینؑ
پانی وہ کیسے دم تشنہ دہانی مانگے
جس کی گردن پہ چلے تیغ تو پانی مانگے

کون بتلائے کہ کیا ثانیٔ زہرؑا کا تھا حال
خاک پر بیٹھی تھی اور ضعف سے چہرہ تھا نڈھال
لب تھے یوں خشک کہ باقی نہ رہی تابِ مقال
بے کسی شاہ کی کرتی تھی اگر کوئی سوال
عالمِ سکتہ میں شبیرؑ کی شیدائی تھی
فاطمہؑ خلد سے گھبرا کے نکل آئی تھی

کانپتی تھی یہ زمیں عرش بھی تھرّاتا تھا
شمر شمشیرِ ستم اس طرح چمکاتا تھا
نہ حیا کرتا تھا ظالم، نہ ترس کھاتا تھا
پردہ خیمے کا جو اُٹھاتا تھا تو گرجاتا تھا
بہر شبیرؑ قیامت کی گھڑی جب آئی
یا علیؑ کہتی ہوئی دشت میں زینبؑ آئی

شمر شمشیرِ ستم لے کے سرہانے آیا
عرش ہلنے لگا، بیکس پہ ستم وہ ڈھایا
غرق خوں ہو گیا اس طرح نبیؐ کا جایا
شام سے پہلے زمانے میں اندھیرا چھایا
ذبح یوں فاطمہؑ کا زینتِ آغوش ہوا
دفعتاً مہرِ فلک شرم سے روپوش ہوا

گردن شاہ پہ یوں خنجر بیداد چلا
دیکھتے دیکھتے کونین کا نقشہ بدلا
ہوگیا عالم بالا میں بھی اک حشر بپا
ہر ملک روتا ہوا جانب مقتل دوڑا
آل احمدؑ پہ مصیبت کی وہ ساعت آئی
حشر سے پہلے زمانے میں قیامت آئی

یوں گرا دوش پیمبرؐ کا مکیں مقتل میں
نوحہ پڑھنے لگے جبریلؑ امیں مقتل میں
کس طرح کوئی نظر آتا کہیں مقتل میں
روح زہراؑ کے سوا کوئی نہیں مقتل میں
کہتی ہے بہر مدد آؤ دہائی بابا
لٹ گئی دشت میں کل میری کمائی بابا

✲✲✲✲✲